اعلان داخلہ

قرآن کالج آف آرٹس اینڈ سائنس

☆ بی اے سالِ اوّل میں داخلہ جاری ہے۔

☆ داخلہ فارم جمع کرانے کی آخری تاریخ 7 اکتوبر ہے۔

☆ سنجیدہ اور باوقار علمی ماحول

☆ قابل اور محنتی اساتذہ

☆ کمپیوٹر کی ابتدائی تعلیم مفت

المعلن : پرنسپل قرآن کالج

191۔اتاترک بلاک نیو گارڈن ٹاؤن لاہور فون : 5833637

فلسفہ و تصوف کے بلند ترین علمی موضوعات پر' جو انتہائی نازک اور عمیق بھی ہیں

امیر تنظیم اسلامی **ڈاکٹر اسرار احمد** مدظلہ کی تالیف

ایجاد و ابداعِ عالم سے عالمی نظامِ خلافت تک

تنزل اور اِرتقاء کے مراحل

چھپ کر آ گئی ہے : قیمت : 20 روپے ○ عمدہ طباعت ○ صفحات : 60

ملنے کا پتہ

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

قرآن اکیڈمی' 36۔کے' ماڈل ٹاؤن لاہور فون : 3-5869501 فیکس : 5834000

وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا

(البقرہ: ۲۶۹)

ماہنامہ

حکمتِ قرآن

لاہور

بیادگار: ڈاکٹر محمد رفیع الدین ایم اے پی ایچ ڈی ڈی لٹ مرحوم

مدیر اعزازی: ڈاکٹر ابصار احمد ایم اے، ایم فل، پی ایچ ڈی

معاون: حافظ عاکف سعید ایم اے (فلسفہ)

ادارہ تحریر: حافظ خالد محمود خضر، پروفیسر حافظ نذیر احمد ہاشمی

جلد ۱۸ | جمادی الاخریٰ ۱۴۲۰ھ ـ اکتوبر ۱۹۹۹ء | شمارہ ۱۰

ـــ یکے از مطبوعات ـــ

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

۳۶۔ کے۔ ماڈل ٹاؤن۔ لاہور ۱۴۔ فون: ۵۸۶۹۵۰۱

کراچی آفس: اداؤد منزل متصل شادی ہال۔ شاہراہ لیاقت کراچی فون: ۲۱۶۵۸۶

سالانہ زرِ تعاون -/۸۰ روپے، فی شمارہ -/۸ روپے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حرفِ اول

ایک سالہ رجوع الی القرآن کورس میں نئے داخلے

بحمد اللہ حسب اعلان یکم ستمبر سے قرآن اکیڈمی لاہور کے ایک سالہ رجوع الی القرآن کورس میں تدریس کا آغاز ہو گیا ہے۔ اس کورس کا آغاز ۸۵-۱۹۸۴ء میں دو سالہ تعلیمی و تدریسی کورس کی حیثیت سے ہوا تھا' جسے تین گروپوں نے کامیابی سے مکمل کیا اور پچاس کے قریب اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوانوں نے بنیادی عربی قواعد کے علاوہ مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب تفصیلی وضاحت کے ساتھ' پورے قرآن حکیم کا قواعد کے اجراء کے ساتھ ترجمہ' احادیث نبویؐ کا مجموعہ مشکوٰۃ المصابیح پڑھنے کے ساتھ ساتھ' اصولِ حدیث' فقہ اور اصول فقہ کی بنیادی معلومات کی تحصیل بھی کی۔ کچھ عرصے کے بعد محسوس ہوا کہ بہت سے حضرات کے لئے اس کام کے لئے دو سال نکالنا بہت مشکل ہے' لہٰذا دو سالہ کورس کے نصاب کو مختصر کر کے اسے ایک سالہ کورس کی شکل دی گئی' جو الحمد للہ گزشتہ دس سال سے کامیابی سے جاری ہے اور ہر سال اندرون ملک اور بیرون ملک سے آکر بیسیوں طالبانِ علم قرآن اس کورس سے استفادہ کرتے ہیں' جن میں خاصی تعداد خواتین کی بھی ہوتی ہے۔

یہ کورس اصلاً گریجویٹس کے لئے ہے جس میں بالعموم پوسٹ گریجویٹس' ڈاکٹرز اور انجینئرز وغیرہ بھی شریک ہوتے ہیں' تاہم ایسے پختہ (mature) ذہن اور وسیع مطالعہ رکھنے والے احباب بھی داخلہ لے سکتے ہیں جن کی تعلیم ایف اے ہو۔

امسال رجوع الی القرآن کورس میں ۲۸ مرد اور ۱۱ خواتین شریک ہوئی ہیں' جو بہت حوصلہ افزا تعداد ہے۔ خواتین کے لئے ہمیشہ کی طرح باپردہ انتظام ہے۔ ہماری دعا ہے کہ ان خواتین و حضرات نے اس کورس میں شرکت کے لئے جو مشقت اٹھائی ہے اور اس ضمن میں وہ جو مالی انفاق کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ اسے شرف قبول عطا فرمائے اور انہیں اس رجوع الی القرآن کورس سے کماحقہ' استفادہ کرنے کی توفیق ارزانی فرمائے۔ ○○

درس ۱۴

مسلمانوں کی سیاسی و ملی زندگی

کے رہنما اصول

سورۃ الحجرات کی روشنی میں

—— (۵) ——

'اسلام' اور 'ایمان'

میں فرق و تفاوت

اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

﴿ قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴﴾ ﴾

"یہ بدّو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے۔ (اے نبی ﷺ) ان سے کہہ دیجئے کہ تم ہرگز ایمان نہیں لائے ہو' بلکہ یوں کہو کہ ہم اسلام لے آئے ہیں (یعنی ہم نے اطاعت قبول کر لی ہے) جبکہ ایمان ابھی تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔ تاہم اگر تم اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرتے رہو گے تو اللہ تمہارے اعمال (کے اجر و ثواب) میں کوئی کمی نہیں کرے گا۔ یقیناً اللہ بخشنے والا' رحم فرمانے والا ہے۔"

یہ بات نوٹ فرما لیجئے کہ ایک خاص مضمون کے اعتبار سے یہ قرآن مجید کی اہم ترین آیت ہے' اور وہ خاص مضمون ہے ایمان اور اسلام کا فرق۔ قرآن مجید میں اکثر و بیشتر

"ایمان و اسلام" اور "مؤمن و مسلم" ہم معنی اور مترادف الفاظ کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ جو کوئی مؤمن ہے وہ مسلمان ہے اور جو کوئی مسلمان ہے وہ مؤمن ہے۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے انگریزی میں ہم کہتے ہیں :

Call the rose by any name, it will smell as sweet

اس لئے کہ ایمان ایک باطنی کیفیت ہے جبکہ اسلام اس کا عالم واقعہ میں ظہور ہے۔ اب جس شخص میں یہ دونوں چیزیں موجود ہیں' دل میں ایمان بھی ہے' عمل میں اسلام بھی ہے' اسے آپ چاہے مؤمن کہیں' چاہے مسلم کہہ لیں' کوئی فرق نہیں واقع ہو گا۔ لیکن یہاں آپ نے الفاظِ قرآنی اور ان کا ترجمہ ملاحظہ کیا کہ اس آیۂ مبارکہ میں ان دونوں کو ایک دوسرے کے بالمقابل لایا گیا ہے اور ایک معین گروہ کے دعوائے ایمان کی پرزور نفی کی گئی ہے۔ "لَمْ تُؤْمِنُوْا" میں میں نہایت مؤکد نفی ہے' اسی لئے میں نے ترجمہ میں لفظ "ہرگز" کا اضافہ کیا ہے کہ "تم ہرگز ایمان نہیں لائے" ـــــ عربی زبان میں فعل ماضی میں نفی پیدا کرنے کے لئے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ماضی ہی پر "ما" کا اضافہ ہو جائے' جیسے مَا اٰمَنْتُمْ "تم ایمان نہیں لائے ہو"۔ دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ فعل مضارع پر "لَمْ" داخل کیا جائے۔ یہ تاکید کے لئے ہوتا ہے۔ لَمْ تُؤْمِنُوْا "تم ہرگز ایمان نہیں لائے"۔ بات مکمل تھی' لیکن اسے یہ فرما کر مزید مؤکد کیا گیا : ﴿ وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ﴾ "اور ابھی ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا"۔ وہ تو صرف تمہاری زبانوں پر ہے۔ معلوم ہوا کہ یہاں ایمان کی تو نہایت مؤکد' نہایت تاکیدی اسلوب سے نفی ہو گئی' بایں ہمہ ان کا اسلام تسلیم کیا جا رہا ہے : ﴿ وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا ... ﴾ "البتہ تم کہہ سکتے ہو کہ ہم اسلام لے آئے ہیں (ہم مسلمان ہو گئے ہیں' ہم نے اطاعت قبول کر لی ہے"۔ اس لئے کہ اسلام کے لفظی معنی ہیں to surrernder اور to give up resistance۔ یعنی مقابلہ و مقاومت اور مخالفت و مزاحمت چھوڑ کر سر تسلیم خم کر دینا۔ اسے فارسی میں کہا جائے گا "گردن نہادن"۔ تو فرمایا گیا کہ یہ بدو کہہ سکتے ہیں کہ ہم اسلام لے آئے ہیں یعنی ہم نے اطاعت قبول کر لی ہے۔

آگے فرمایا گیا : ﴿ وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْـًٔا ﴾ یعنی اگر تم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت پر کاربند رہو گے تو تمہارے اعمال قبول کر لئے جائیں گے' ان کے اجر و ثواب میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ تمہارا اسلام تسلیم

ہے' لیکن اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ تم ایمان لے آئے ہو تو یہ تمہارا بڑا مغالطہ ہے' اس کی تصحیح کرلو۔ آیت کا اختتام ہوتا ہے ان الفاظ مبارکہ پر : ﴿اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۝﴾ "یقیناً اللہ نہایت بخشنے والا' بہت رحم فرمانے والا ہے"۔ یعنی یہ جو رعایت دی جارہی ہے کہ قلبی ایمان کے بغیر تمہارے اسلام اور تمہاری اطاعت کو قبول کرنے اور تمہاری مغفرت کرنے' تم پر رحم فرمانے کی بشارت دی جارہی ہے' وہ اس کی شانِ غفاری و رحیمی کے طفیل ہے۔ اس کی مزید وضاحت ان شاء اللہ آگے آئے گی۔

آیہ مبارکہ کی تاویل خاص

اب ہم ذرا دو پہلوؤں سے اس آیت پر غور کریں گے۔ پہلے تو ہم اس پہلو سے اس آیت مبارکہ کو سمجھنے کی کوشش کریں گے جسے تاویل خاص کہتے ہیں' یعنی قرآن مجید کے زمانۂ نزول اور اس آیت کے پس منظر کے حوالے سے سمجھا جائے کہ وہ کون لوگ تھے جن سے یہ خطاب ہو رہا ہے۔ اس بات کی تفہیم کے لئے سیرت النبی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے جو مختلف ادوار ہیں' ذرا ان کو ذہن میں لائیے۔ جب تک حضور ﷺ مکہ میں تشریف فرما رہے' سب کو معلوم ہے کہ مسلمان کمزور تھے' کفر کا غلبہ تھا۔ جو شخص اسلام قبول کرتا تھا اسے ستایا جاتا تھا' طرح طرح کی ایذائیں پہنچائی جاتی تھیں اور ہر قسم کے تشدد کا نشانہ بنایا جاتا تھا۔ لہٰذا صرف وہی شخص زبان پر کلمۂ شہادت لاتا تھا جس کے دل میں یقین کامل پیدا ہو چکا ہوتا تھا ـــــ اتنا پختہ یقین کہ وہ اس کلمۂ حق کی ادائیگی پر اپنی جان کی قربانی دینے کے لئے ہمہ وقت تیار ہوتا تھا ـــــ اتنا گہرا یقین کہ وہ اس کلمۂ شہادت کو ادا کرنے پر دنیا کی ہر شے کو تج دینے کے لئے ہر وقت آمادہ ہوتا تھا۔ جب اس درجے میں اس کے دل میں اللہ پر' اس کی توحید پر' حضور ﷺ کی نبوت و رسالت پر اور بعث بعد الموت' حشر و نشر' جزا و سزا پر ایمان جاگزیں ہو جاتا تھا تب وہ کہتا تھا : اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ ـــــ یعنی وہاں ایمان پہلے تھا اور اسلام بعد میں آیا۔ لیکن ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں جب نبی اکرم ﷺ تشریف لے آئے تب حالات بدل گئے۔ اب اسلام کے غلبے کا دَور شروع ہوا۔ یثرب جو بعد میں مدینۃ النبی بنا' پہلے ایک "شہری ریاست" تھی' پھر یہاں اسلام کا غلبہ بڑھتا چلا گیا۔ لہٰذا جیسے جیسے حالات بدلتے چلے گئے اور اسلام ایک غالب قوت کی حیثیت اختیار کرتا چلا گیا ویسے ویسے مکی دَور والی کیفیت

بھی بدلتی چلی گئی۔ اب ان مصائب و شدائد سے سابقہ پیش آنا ختم ہو گیا جن کا سلسلہ مکّہ میں بارہ تیرہ سال جاری رہا تھا۔ اس تبدیل شدہ صورتِ حال کا نتیجہ یہ نکلا کہ کچھ کچے پکے لوگ بھی اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے۔ اب چونکہ کسی تشدد اور جور و تعدی کا کوئی خطرہ موجود نہیں تھا' لہٰذا لوگ جوق در جوق اسلام قبول کرنے لگے۔ اَوس و خزرج کے پورے کے پورے قبیلے ایمان لے آئے۔ ظاہر بات ہے کہ چشم زدن میں ان کے دلوں میں حقیقی ایمان جاگزیں نہیں ہو جانا تھا' چنانچہ یہی وجہ ہے کہ مدینہ منورہ میں منافقین کی ایک جماعت کا ظہور ہونا شروع ہوا۔

پھر فتح مکہ کے بعد صورتِ حال بالکل بدل گئی۔ اب تو گویا عرب میں سب سے بڑی طاقت رسول اللہ ﷺ کی تھی۔ جب قریش شکست کھا چکے اور طائف کے دو مضبوط قبائل ہوازن اور ثقیف بھی مغلوب ہو گئے تو اب عرب میں اور کون تھا جو جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے مدِمقابل آتا۔ لہٰذا تمام قبائل عرب میں ایک رو چلی۔ سب نے اپنی اپنی جگہ طے کیا کہ نبی اکرم ﷺ سے مقابلہ کرنے اور آپؐ کی مزاحمت کرنے کا اب کوئی فائدہ نہیں ہے' اب ہم آپ ﷺ کی پیش قدمی میں مزاحم نہیں ہو سکتے' لہٰذا خود ہی مدینہ چلیں اور محمد ﷺ کی اطاعت قبول کر لیں ـــــ یہ ہے وہ نقشہ جو آخری پارے کی سورۃ النصر میں آتا ہے کہ : ﴿ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝﴾ کبھی یہ عالم تھا کہ مکہ میں مہینوں میں چند لوگ ہی ایمان لائے ہوں گے اور اب یہ منظر ہے کہ ہزاروں افراد کا نمائندہ وفد دفعتاً آیا اور اس نے اسلام قبول کر لیا' یا بالفاظ دیگر اطاعت تسلیم کر لی۔ لیکن اس کے معنی یہ تو نہیں ہیں کہ اس اجتماعی فیصلے کے نتیجے میں ان کے دلوں کی کیفیت بھی چشم زدن میں بدل گئی ہو۔ لہٰذا اب ایسے لوگ بھی وجود میں آ گئے جو مسلم تو ہیں' جنہوں نے اطاعت قبول کر لی ہے' جو کلمۂ شہادت ادا کر رہے ہیں' لیکن "مؤمن" ہونے کی کیفیت ابھی انہیں حاصل نہیں ہوئی۔

یہ بات پیش نظر رکھئے کہ جتنے قبائل بھی ایمان لائے ان میں سب کی کیفیت یہ نہیں تھی۔ البتہ کچھ لوگ یقیناً ایسے بھی تھے جن سے یہ خطاب ہو رہا ہے۔ اعراب یعنی بدوؤں کے بارے میں سورۃ التوبہ کی آیت نمبر ۹۹ میں یہ وضاحت موجود ہے :

﴿ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ

عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ؕ اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ؕ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾

"اور بدوؤں' بادیہ نشینوں میں بعض ایسے بھی ہیں جو اللہ پر اور یوم آخر پر پختہ یقین رکھتے ہیں اور وہ اپنا مال خرچ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کے لئے اور رسول (ﷺ) سے دعائیں لینے کا ذریعہ بنانے کے لئے۔ یاد رکھو' ان کا خرچ کرنا بے شک موجب قربت ہے۔ اللہ ان کو ضرور اپنی رحمت میں داخل فرمائے گا۔ بے شک اللہ نہایت مغفرت فرمانے والا' بڑا رحم فرمانے والا ہے"۔

یہ آیت مبارکہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ سب بدو ایسے نہیں تھے۔

تاویل عام کے اعتبار سے ہمارے لئے نوید جاں فزا

اب ذرا اس آیت مبارکہ پر تاویل عام کے اعتبار سے غور کیجئے۔ اب اگر ہم اپنی صورتِ حال پر غور کریں گے تو ہمیں محسوس ہو گا کہ ہماری عظیم اکثریت کا معاملہ بھی یہی ہے۔ ہم نے اپنے انتخاب (choice) سے تو ایمان قبول نہیں کیا' ہمیں دولت ایمان سوچ سمجھ کر' اپنے فیصلے سے حاصل نہیں ہوئی' بلکہ ہمیں تو اسلام وراثتاً مل گیا ہے۔ وہاں فتح مکہ کے بعد ایک رو چلی تھی کہ لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہو گئے تھے۔ یہاں ایک نسلی تسلسل ہے' ایک سلسلہ ہے جو نسل کی وجہ سے منتقل ہو رہا ہے۔ تو ہم میں سے بھی اکثر و بیشتر در حقیقت اس آیت کا مصداق ہیں۔ اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰهُ' جن کو اللہ تعالیٰ حقیقی و قلبی ایمان و ایقان کی دولت نصیب فرما دے۔ اور بہرحال ایسے افراد ہر دور میں موجود رہے ہیں اور آج بھی موجود ہیں' لیکن اگر ہم اکثریت کو سامنے رکھ کر غور کریں گے تو معاملہ اسی مقام پر نظر آئے گا کہ اسلام ہے' کلمۂ شہادت ہے' لیکن دلی یقین والی کیفیت شاذ و نادر ہی نظر آئے گی ـــــ وہ یقین جس کے بارے میں علامہ اقبال نے کہا تھا ؎

یقیں پیدا کر اے ناداں! یقیں سے ہاتھ آتی ہے
وہ درویشی کہ جس کے سامنے جھکتی ہے فغفوری!

تو یہ یقین عنقا ہے۔ یہ وہ شے ہے جو شاذ شاذ ہی نظر آتی ہے۔

اب اگر ہم اس صورتِ حال کو سامنے رکھ کر اس آیت پر مزید غور کریں تو ایک بات ہمارے لئے بڑی امید افزا اور نوید جاں فزا ہے کہ جیسے ان بدوؤں سے کہا گیا کہ اگر تم

اپنے سینوں میں جھانکو اور تمہیں محسوس ہو کہ وہ یقین والی بات حاصل نہیں ہے تو بھی مایوس نہ ہو ـــــ "اگر تم اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت پر کاربند رہو گے تو ہم تمہارے اعمال میں کچھ کمی نہیں کریں گے"۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ بہت بڑی رعایت ہے۔ غور کیجئے کہ اگر منطقی اور اصولی طور پر بات سمجھی جائے تو وہ یہ ہو گی کہ ایمان کے بغیر کوئی عمل قبول نہیں ہونا چاہیئے' لیکن یہاں رعایت دی جا رہی ہے کہ کوئی شخص اپنے دل کو ٹٹولے اور محسوس کرے کہ یقین والی کیفیت موجود نہیں ہے تو بھی مایوس نہ ہو۔ اس حالت و کیفیت میں بھی اگر تم اطاعت پر کاربند رہو گے' نافرمانیوں سے بچو گے تو ہم تمہارے اعمال قبول کرلیں گے۔ ان میں کوئی کمی اور کوتاہی نہیں کریں گے۔

اب ذرا غور کیجئے کہ آیت کا اختتام اللہ تعالیٰ کی کن صفات پر ہو رہا ہے! فرمایا : ﴿اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۝﴾ "یقیناً اللہ غفور ہے' رحیم ہے"۔ یہ اس کی شانِ غفاری کا صدقہ اور اس کی شانِ رحیمی کا مظہر ہے کہ وہ تمہارے ساتھ یہ نرمی برت رہا ہے اور تمہیں یہ رعایت دے رہا ہے کہ ایمانِ حقیقی اور یقین قلبی میسر نہ ہو تب بھی اگر تم اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرتے رہو گے تو تمہارے اعمال قبول کرلئے جائیں گے' تمہارے اجر و ثواب میں ذرہ برابر کوئی کمی اور کوتاہی نہیں ہو گی : ﴿لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْئًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۝﴾

جزوی اطاعت کی حقیقت

البتہ اس میں ایک انتباہ بھی ہے کہ اسے کہیں انسان اپنے لئے ایک کھلا لائسنس نہ سمجھ لے' کھلی چھٹی نہ سمجھ بیٹھے۔ اور کہیں ایسا نہ ہو کہ حقیقی ایمان کے حصول کی کوئی کوشش ہی نہ کرے۔ اس لئے کہ از روئے قرآن مغفرت کے لئے کُلی اطاعت مطلوب ہو گی۔ جزوی اطاعت' اطاعت نہیں ہے۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے بعض احکام کو مان لینا اور بعض احکام کو ترک کر دینا' بعض کو سر آنکھوں پر رکھنا اور بعض کو پاؤں تلے روند دینا' یہ اطاعت نہیں ہے۔ یہ جسارت ہے' یہ ڈھٹائی ہے' یہ گستاخی ہے' یہ اللہ کے ساتھ تمسخر و استہزاء ہے۔ وہ جو کہتے ہیں "بازی بازی باریش بابا ہم بازی!" یہ کھیل تم اللہ کے ساتھ کھیل رہے ہو! یہ مذاق تم اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ کر رہے ہو! نماز پڑھنے کا حکم کس کا ہے؟ اللہ کا! وہ تو ہم پڑھیں گے۔ اللہ ہی کا حکم ہے روزہ رکھو' ہم رکھیں

گے' اللہ ہی کا حکم ہے کہ رشوت نہ لو' لیکن اُسے ہم نہیں مانیں گے۔ اس کے کیا معنی ہیں؟ یہ کہ اللہ کے بعض احکام کو تو سر آنکھوں پر رکھا اور بعض کو پاؤں تلے روند دیا۔ جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا کہ یہ جسارت ہے' ڈھٹائی ہے' اللہ کے جناب میں بہت بڑی گستاخی ہے۔ اس پر سورۃ البقرۃ کی آیت ۸۵ میں شدید تنبیہ کی گئی ہے۔ فرمایا :

﴿اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ﴾ "کیا تم ہماری کتاب (اور شریعت) کے ایک حصے کو مانتے ہو اور ایک حصے کو نہیں مانتے؟" ـــــ سود کی حرمت بھی تو اسی قرآن میں ہے۔ رشوت لینے اور دینے سے منع بھی تو اسی شریعت اسلامی نے کیا ہے جس میں فرض عبادات کا حکم ہے ـــــ یہ رویّہ اور وطیرہ اختیار کرنے والوں کے لئے آگے وعید آئی ہے : ﴿فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ "پس کوئی سزا نہیں ہے اس شخص کی جو تم میں سے یہ طرزِ عمل اختیار کرے گا سوائے اس کے کہ اسے دنیا کی زندگی میں ذلیل و خوار کر دیا جائے" ﴿وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝﴾ "اور قیامت کے دن انہیں شدید ترین عذاب میں جھونک دیا جائے گا' اور جان لو کہ اللہ غافل اور بے خبر نہیں ہے اس سے جو تم کر رہے ہو"۔ تم لوگوں کو دھوکہ دے سکتے ہو' تم لوگوں کی زبانیں بند کر سکتے ہو لیکن اللہ سے کوئی چیز چھپا نہیں سکتے۔

تو یہ ہے نہایت زوردار انتباہ۔ کسی وقت کوئی خطا ہو جائے تو وہ بات اور ہے ـــــ جذبات میں مغلوب ہو کر انسان کوئی غلطی کر بیٹھے تو یہ بات اور ہے۔ وہ فوراً رجوع کرے گا' توبہ کرے گا۔ توبہ پر ہماری ان مجالس میں بڑی تفصیل سے گفتگو ہو چکی ہے۔ میں مثال دیا کرتا ہوں کہ آپ راہ چلتے ہوئے کہیں پھسل کر کیچڑ میں گر جائیں تو وہاں پڑے نہیں رہتے' بجلی کی تیزی سے اٹھتے ہیں۔ یہی معاملہ توبہ کا ہے۔ انسان کا پاؤں پھسل سکتا ہے' لغزش ہو سکتی ہے' انسان کسی معصیت میں' کسی گناہ میں' کسی غلط کام میں ملوث ہو سکتا ہے۔ ماحول کے کچھ وقتی اثرات غالب آ جائیں' کسی وقت نفس میں کوئی طوفان آ گیا ہو جس کے باعث آپ کے حواس مختل ہو جائیں' آپ جذبات کی شدت سے مغلوب ہو جائیں اور آپ کوئی غلط کام کر بیٹھیں' تو اگر اللہ کا خوف دامن گیر ہے' خدا ترسی ہے' آخرت کا استحضار ہے تو آپ ہوش میں آتے ہی رجوع کریں گے' پلٹیں گے' ندامت اور

پشیمانی کا اظہار کریں گے۔ آپ اپنی خطا کا اللہ کے سامنے اقرار کریں گے' سچے دل سے توبہ کریں گے' گڑگڑا کر اس سے استغفار کریں گے' اس سے عفو کے طالب ہوں گے۔ آپ کی اس روش کے جواب میں آپ کے ساتھ معاملہ یہ ہو گا ؎

موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چن لئے
قطرے جو تھے مرے عرقِ انفعال کے

وقتی طور پر خطا کا صدور ہو جانا' کوئی گناہ کر بیٹھنا' کسی معصیت کا ارتکاب ہو جانا بالکل دوسری بات ہے' لیکن کسی معصیت پر مستقل ڈیرہ لگا کر بیٹھ جانا' اپنی زندگی میں کسی حرام کام کو مستقل طور پر جاری رکھنا' یہ بالکل وہی بات ہے کہ : ﴿اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَ تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ﴾ ـــــ اس وطیرے اور رویئے پر جو وعید آئی ہے اس کے تناظر میں آپ نے محسوس کر لیا ہو گا کہ ہم جو یہ سوال کیا کرتے ہیں کہ ؎

ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند
گستاخیٔ فرشتہ ہماری جناب میں!

جی ہم دنیا میں کیوں ذلیل و رسوا ہو گئے اور اس ذلت و رسوائی میں اضافہ کیوں ہوتا چلا جا رہا ہے؟ تو اس کا جواب سورۃ البقرۃ کی اسی آیت میں موجود ہے۔ یہ اس سبب سے ہے کہ ہم نے شریعت اسلامی کے حصے بخرے کر رکھے ہیں کہ ایک کو مانیں گے' ایک کو نہیں مانیں گے۔ اسی گستاخانہ رویئے کی سزا بیان ہوئی : ﴿خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ "دنیا کی زندگی میں رسوائی' ذلت اور خواری"۔ یہی سزا ہے جو ہمیں مل رہی ہے اور اسی رویئے کی وجہ سے ہم اپنے آپ کو آخرت کے عذاب کا مستحق بنا چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی شانِ غفاری و رحیمی کے سہارے اگر چھٹکارا مل جائے تو بات دوسری ہے۔

اسلامی معاشرے میں "ایمان" اور "اسلام" کی اہمیت

اس آیت مبارکہ کے بارے میں اب آخری بات نوٹ کیجئے۔ اپنی جگہ پر اس کا یہ مضمون بہت اہم ہے کہ اس میں اسلام اور ایمان کو علیحدہ کر دیا گیا ـــــ اور اس مضمون کے اعتبار سے یہ آیت قرآن مجید کی چوٹی (Climax) اور ذروۃ السنام ہے ـــــ اب سوال یہ ہے کہ سورۃ الحجرات میں مسلمانوں کی حیات ملی کے جو مضامین آ رہے ہیں' ان سے اس بحث کا ربط و تعلق کیا ہے! اس لئے کہ ہر سورۃ کا جو مرکزی مضمون ہوتا ہے اس

سورۃ کی تمام آیات اس کے ساتھ مربوط ہوتی ہیں ـــــ وہ ربط یہ ہے کہ چاہے مسلمانوں کے معاشرے میں شمولیت و شرکت کا معاملہ ہو' چاہے اسلامی ریاست کی شہریت کا معاملہ ہو' ان دونوں کی بنیاد اسلام ہے' ایمان نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ تو قانونی معاملہ ہے۔ ایک مسلمان مرد کی شادی ایک مسلمان عورت سے ہو سکتی ہے اور ایک مسلمان عورت کا نکاح صرف ایک مسلمان مرد سے ہو سکتا ہے۔ مسلمان باپ کی وراثت مسلمان اولاد ہی کو منتقل ہو سکتی ہے۔ یہ خالص قانونی مسئلہ ہے۔ اسلامی ریاست کا شہری مسلمان ہو گا۔ اسلام اس شہریت کی بنیاد ہے۔ لہٰذا طے کرنا پڑے گا کہ کون مسلمان ہے' کون نہیں ہے۔ جبکہ جہاں تک ایمان کا تعلق ہے تو وہ ایک باطنی کیفیت ہے' وہ دل میں ہوتا ہے۔ دل میں یقین ہے یا نہیں' اس کا فیصلہ ہم نہیں کر سکتے۔ آج بھی ہمارے پاس کوئی ایسا آلہ اور ذریعہ موجود نہیں ہے جس کی مدد سے ہم یہ طے کر سکیں کہ کسی کے دل میں ایمان ہے یا نہیں ہے۔ لہٰذا دنیا میں مسلمان معاشرے میں کسی کی شرکت و شمولیت اور اسلامی ریاست کی شہریت کی بنیاد اسلام ہے' ایمان نہیں ہے۔ البتہ آخرت میں ہمارا جو انجام ہونا ہے اس کی بنیاد ایمان ہے۔

"ایمان" کی جامع و مانع تعریف

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ حقیقی ایمان کسے کہتے ہیں اور اس کے خصائص کیا ہیں! ـــــ یہ اس سورۂ مبارکہ کی اگلی آیت کا موضوع ہے' جس کا اب ہم مطالعہ کرتے ہیں۔

﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝ ﴾

"مومن تو بس وہ ہیں جو ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسول (ﷺ) پر' پھر شک میں نہیں پڑے' اور انہوں نے جہاد کیا اپنے اموال اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں۔ صرف یہی لوگ (اپنے دعوائے ایمان میں) سچے ہیں۔"

یہ آیت مبارکہ بھی اپنے مضمون کے اعتبار سے قرآن مجید کا نقطۂ عروج ہے۔ وہ مضمون یہ ہے کہ ایمانِ حقیقی کی تعریف کیا ہے؟ جب یہ واضح ہو گیا کہ ایمان اور ہے' اسلام اور ہے تو فطری طور پر ایک سوال ذہن میں ابھر کر آئے گا کہ "ایمان" کسے کہتے ہیں! چنانچہ یہ وہ مقام ہے جسے میں ایمان کی جامع و مانع تعریف قرار دیتا ہوں۔ جامع و مانع

تعریف ایک تو اس پہلو سے ہے کہ سیاقِ کلام میں ایمان اور اسلام کا علیحدہ علیحدہ بیان ہوا ہے۔ ویسے ایمان کی کیفیات قرآن مجید میں جابجا بیان ہوئی ہیں۔ ایمان کے ثمرات اور اس کے نتائج کے بارے میں ہم سورۃ التغابن میں تفاصیل پڑھ چکے ہیں' جس کا دوسرا رکوع ایمان کے ثمرات' ایمان کے نتائج' ایمان کے مقتضیات اور ایمان کے مضمرات ہی کے موضوع پر تھا۔ لیکن یہاں یہ دیکھنا ہے کہ سیاقِ کلام کیا ہے! وہ ہے ایمان اور اسلام کا فرق۔ لہٰذا اس پس منظر میں یہ مضمون آ رہا ہے کہ مؤمن تو بس وہ ہیں جن میں وہ دو شرطیں پوری ہوں جو اس آیت مبارکہ میں بیان ہو رہی ہیں ـــــ گویا یہ ایمان کی تعریف (definition) کا مقام ہے ـــــ دوسرے اس پہلو سے کہ اس آیت مبارکہ کے شروع میں بھی اسلوبِ حصر ہے اور اختتام پر بھی۔ "حصر" ایک اصطلاح ہے' اس کو اس مثال سے اچھی طرح سمجھا جا سکے گا کہ ہم ایک جملہ کہتے ہیں "زید عالم ہے" اور ایک کہتے ہیں کہ "زید ہی عالم ہے"۔ اب غور کیجئے کہ ان دو جملوں میں کیا فرق واقع ہوا؟ پہلے جملے "زید عالم ہے" میں زید کے عالم ہونے کا اثبات ہوا لیکن کسی دوسرے کے عالم ہونے کی نفی نہیں ہوئی۔ یعنی زید کے علاوہ کوئی اور بھی عالم ہو سکتا ہے۔ جبکہ اس جملے میں کہ "زید ہی عالم ہے" زید کے عالم ہونے کا اثبات اور دوسروں کے عالم ہونے کی نفی ہو رہی ہے۔ یعنی زید کے سوا اور کوئی عالم نہیں ہے۔ گویا علم منحصر ہے زید میں۔ اس کو اسلوبِ حصر کہتے ہیں۔ چنانچہ آیت کے شروع میں آیا : ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ...﴾ معنی ہوں گے "مومن تو بس وہ لوگ ہیں" یا "مؤمن تو صرف وہ لوگ ہیں"۔ آخر میں بھی اسلوبِ حصر ہے : ﴿اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝﴾ "صرف یہی لوگ سچے ہیں"۔ یعنی دعوائے ایمان تو انہوں نے بھی کیا تھا جن کا ذکر پچھلی آیت میں ہوا: ﴿قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا﴾ ایمان کے مدعی اور دعوے دار تو بہت سے ہیں' لیکن اس دعوائے ایمان میں سچے صرف وہ ہیں جو ان شرطوں کو پورا کریں جو اس آیت مبارکہ میں بیان کی جا رہی ہیں۔

ایمان اور جہاد کا تعلق

آیت کے اس اوّل و آخر کو سمجھ کر اب آیئے یہ دیکھیں کہ اس آیت کا اصل مضمون اور اصل content کیا ہے! ـــــ آیت پر تھوڑے سے غور سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ایمانِ حقیقی کے دو لوازم ہیں۔ یا اگر بغرضِ تفہیم فقہی اصطلاح استعمال کی

جائے تو کہا جائے گا کہ ایمانِ حقیقی کے دو ارکان ہیں۔ دیکھئے کہ ارکان اسلام سے ہر مسلمان واقف ہے جو حدیث میں بیان ہوئے ہیں :((بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ: شَهَادَةِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ وَ اِقَامِ الصَّلٰوةِ وَ اِیْتَآءِ الزَّكٰوةِ وَ الْحَجِّ وَ صَوْمِ رَمَضَانَ)) (بخاری و مسلم) "اسلام کی بنیاد پانچ باتوں پر ہے: کلمۂ شہادت' نماز' زکوٰۃ' حج اور صومِ رمضان"۔ یہ پانچوں کیا ہیں؟ یہ ارکانِ اسلام ہیں؟ اسلام کے ستون ہیں! ـــــ اس اصطلاح کو ذہن نشین کر لیجئے اور دیکھئے کہ اس آیت مبارکہ کی رو سے ایمان کے دو ارکان کیا ہیں! پہلا رکن ہے اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) پر وہ ایمان جس میں شکوک و شبہات باقی نہ رہیں۔ یہاں بھی دیکھئے کہ "ریب" سے فعل مضارع "یَرْتَابُوْا" سے پہلے "لَمْ" آیا۔ معنی ہوئے "ہرگز شک نہ کریں"۔ یعنی شکوک و شبہات کے کانٹے بالکل نکل چکے ہوں۔ معلوم ہوا کہ یہ ہے "یقین قلبی" ـــــ یہ فکر و نظر یعنی عقیدے کا اخلاص ہوا۔ یہ ہے ایمانِ حقیقی کا پہلا رکن۔ دوسرا رکن عمل سے متعلق ہے اور وہ ہے جہاد فی سبیل اللہ' اپنے اموال اور اپنی جانوں سے۔ پس ایمانِ حقیقی کے دو ارکان ہوئے' ایک "یقین" جو قلب میں ہو گا اور دوسرا "جہاد" جو عمل میں ہو گا۔

یہاں ایک نکتہ مزید سمجھ لیجئے۔ ایمانِ مجمل کے الفاظ ہیں: اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ كَمَا هُوَ بِاَسْمَآئِهٖ وَ صِفَاتِهٖ وَ قَبِلْتُ جَمِیْعَ اَحْكَامِهٖ اِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ وَ تَصْدِیْقٌ بِالْقَلْبِ۔ ان الفاظ سے معلوم ہوا کہ ایمان کے دو پہلو یا دو درجے ہیں۔ ایک زبان سے اقرار اور دوسرا دل سے تصدیق یا قلبی یقین۔ اب ان میں سے پہلا درجہ یعنی اِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ ایمانِ قانونی یا اسلام کا رکن ہے ـــــ شَهَادَةِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ یہ تصدیق ہے' testimony ہے۔ ایک شخص زبان سے اقرار کرے کہ میں مانتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور تسلیم کرے کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں' تو اس اِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ کی حیثیت اسلام کے رکن کی ہو گی جبکہ تصدیق بالقلب ایمانِ حقیقی کا رکن ہو گا۔

ایمانِ حقیقی کے دو ارکان میں سے پہلے رکن یعنی یقین قلبی پر پہلے بھی گفتگو ہو چکی ہے کہ اس کے کیا آثار ہیں! یقین موجود ہے تو اس کے کیا نتائج و ثمرات انسان کے عمل میں ظہور پذیر ہوں گے! ان امور کا ہم سورۃ التغابن میں تفصیل سے مطالعہ کر چکے ہیں۔

لہٰذا اب ہمیں گفتگو کو زیادہ مرتکز کرنا ہو گا دوسرے رکن یعنی جہاد فی سبیل اللہ کے موضوع پر۔ یہ تو معلوم ہو گیا کہ یہ رکن ہے ایمانِ حقیقی کا' یعنی اگر یہ موجود ہے تو حقیقی ایمان موجود ہے اور اگر یہ نہیں ہے تو ایمانِ حقیقی حاصل نہیں ہے۔

"جہاد فی سبیل اللہ" کی اصل حقیقت

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ جہاد فی سبیل اللہ ہے کیا؟ جہاد کے بارے میں ہمارے یہاں دو بڑے بڑے مغالطے ہیں۔ ایک یہ کہ جہاد کے معنی جنگ کے لئے جاتے ہیں۔ یہ بات صحیح نہیں ہے' اس کی بلند ترین چوٹی جنگ ہے۔ اس کی وضاحت آگے بیان کی جائے گی۔ ویسے جنگ کے لئے قرآن مجید کی اصطلاح قتال فی سبیل اللّٰہ ہے ـــــ "جہاد" کا لفظ "جہد" سے بنا ہے' اور جہد کے معنی کوشش کے ہیں۔ جدوجہد کا لفظ ہم بولتے ہیں۔ "قتال" کا لفظ "قتل" سے بنا ہے' اس کے معنی جنگ کے ہیں۔ دوسرا مغالطہ یہ ہے کہ مسلمان جو بھی جنگ کرے' جہاد ہے۔ یہ گویا بنائے فاسد علی الفاسد ہے' یعنی ایک غلط بات پر ایک اور غلط بات کی بنیاد رکھ دینا۔ مسلمان کی صرف وہ جنگ قتال فی سبیل اللہ یا جہاد کی چوٹی کے اعتبار سے جہاد فی سبیل اللہ ہو سکتی ہے جس کا مقصد صرف اللہ کے کلمہ کو سربلند کرنا ہو۔ اگر وہ ہوسِ ملک گیری کی غرض سے ہے' اپنے دنیوی اقتدار کی توسیع کے مقصد کے تحت ہے تو وہ قتال یا جہاد فی سبیل اللہ نہیں ہے۔ لہٰذا ان دونوں مغالطوں کو ذہن سے نکال دیجئے اور اب مثبت طور پر سمجھئے کہ جہاد کسے کہتے ہیں!

جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ اس کا مادہ (root) جہد ہے' اور جہد کے معنی کوشش کے ہیں۔ انگریزی میں اسے یوں ادا کریں گے "to strive for something"۔ یہ جُہد ہے ـــــ لیکن مجاہدہ یا جہاد کے الفاظ میں ایک اضافی معنی پیدا ہو جاتے ہیں۔ مجاہدہ وہ ہو گا جہاں جہد' جہد سے ٹکرائے' جہاں کوشش کا کوشش سے مقابلہ ہو۔ عربی زبان میں بابِ مفاعلہ میں جو الفاظ آتے ہیں ان میں اکثر الفاظ میں آپ کو یہ خاصیت ملے گی کہ دو فریق بالمقابل آ کر ایک ہی عمل کر رہے ہوں اور ایک دوسرے کو زیر کرنا چاہتے ہوں۔ جیسے مباحثہ ہے۔ مباحثہ میں دو فریق ہوتے ہیں' اس کا ایک موقف ہے' دوسرے کا کوئی دوسرا موقف ہے۔ یہ اپنے حق میں دلیل دے گا' وہ اپنے حق میں دلیل دے گا۔ یہ اُس کی دلیل کو کاٹے گا' وہ اِس کی دلیل کو کاٹے گا۔ یہ مباحثہ ہے۔ اسی طرح مقابلہ کے معنی ہیں

ایک دوسرے کے سامنے آنا۔ مقاتلہ یا قتال کے معنی ہوئے ایک دوسرے کو قتل کرنے کی کوشش کرنا۔ چنانچہ جہاد یا مجاہدہ یہ ہے کہ جہد' جہد سے ٹکرا رہی ہو' کوششوں کا تصادم ہو رہا ہو۔ فارسی میں اس کو کشمکش اور کشاکش سے تعبیر کریں گے۔ انگریزی میں اس کے لئے struggle بالکل صحیح لفظ ہے۔ struggle یقیناً کسی resistance کے خلاف ہوتی ہے' کسی مزاحمت کے مقابلے میں ہوتی ہے۔ اسی لئے اس کے بعد صلہ یعنی preposition کے طور پر against آتا ہے۔

اب دیکھئے' دنیا میں کیا ہوتا ہے! ایک شخص کا ایک نظریہ ہے' دوسرے کا دوسرا۔ مثال کے طور پر ایک شخص مارکسسٹ ہے' دوسرا شخص مغربی جمہوری سرمایہ دارانہ نظام کا قائل ہے۔ یہ بھی اخلاص کے ساتھ اپنے نظریئے کا قائل ہے اور وہ بھی اپنے نظریئے میں مخلص ہے۔ ان دونوں کے درمیان تصادم ہو کر رہے گا۔ یہ تصادم پہلے نظریاتی سطح پر ہو گا۔ وہ اپنے نظریئے کی تشہیر کرے گا' یہ اپنے نظریئے کو پھیلائے گا۔ وہ اپنے ہم خیال لوگوں کی جماعت بنائے گا' یہ اپنے ہم خیالوں کی تنظیم بنائے گا۔ پھر ان کے درمیان کشمکش ہو گی۔ جو جیت جائے گا' اس کے نظریہ کے مطابق اس ملک میں نظام قائم ہو جائے گا۔ لہٰذا واقعہ یہ ہے کہ اگر خلوص کے ساتھ کسی نظریہ کو تسلیم کیا گیا ہو تو اس کے لئے جدوجہد اور مجاہدہ ناگزیر ہے۔ اگر نہیں ہو رہا ہے تو یہ قطعی طور پر اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ شخص اپنے نظریئے میں مخلص نہیں ہے۔ مخلص اور صاحب کردار انسان ہو گا تو وہ اپنے نظریئے کی دعوت و تبلیغ کے لئے جدوجہد کرے گا اور اسی عمل کا نام جہاد ہے۔ پس اگر کسی شخص کو یقین حاصل ہے اللہ پر' اس کی توحید پر' اس کے رسول حضرت محمد ﷺ پر' قرآن پر اور اسلام پر تو لامحالہ اس کے اس یقین کا ظہور اس کے عمل میں اس طریق سے ہو گا کہ وہ اسلام کے لئے جدوجہد کرے گا' محنت کرے گا' کوشش کرے گا۔ اسلام کو پھیلائے گا' ایمان کی دعوت عام کرے گا' ان لوگوں کو جمع کرے گا جو اسلام کے لئے جان اور مال دینے کے لئے تیار ہوں۔ وہ اسلامی نظام کے قیام کے لئے struggle کرے گا۔ اگر ایمانِ حقیقی دل میں ہے تو یہ ہو کر رہے گا اور اگر یہ نہیں ہو رہا ہے تو دلی یقین والا ایمان موجود نہیں ہے۔ یہ ہیں معنی اس کے کہ جہاد رُکن ہے ایمان کا۔

جہاد فی سبیل اللہ کے مراتب و مراحل

اب ذرا جہاد کے مراتب اور درجات کو بھی سمجھ لیجئے۔ اس کے لئے ایک تین منزلہ عمارت کو ذہن میں رکھئے۔ اس کا پہلا اور اہم ترین درجہ مجاہدہ مع النفس ہے۔ آپ نے اللہ کو مانا ہے' رسول ﷺ کو مانا ہے' قرآن کو مانا ہے' شریعت کو مانا ہے' لیکن آپ کا نفس آپ کو کسی اور طرف لے جانا چاہ رہا ہے ـــــ شریعت نے کہا ہے کہ سود حرام ہے' مگر نفس آپ کو ترغیب دے رہا ہے کہ نہیں یہ تو کاروبار کو پھیلانے کے لئے' معاشی دوڑ میں آگے بڑھنے کے لئے ناگزیر ہے' اس کے بغیر کاروبار محدود رہے گا اور اس کی توسیع ممکن نہیں ہو گی' نتیجتاً میں معاشی دوڑ میں بہت پیچھے رہ جاؤں گا۔ اب یہ کشمکش آپ کے باطن میں پیدا ہو گی۔ اسی طرح صبح کا وقت ہے' اذان بھی ہو گئی ہے' آپ نے سن بھی لی ہے۔ آپ کو معلوم ہو گیا ہے کہ اس وقت حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ اور حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ کی صدا' یہ پکار' یہ call اللہ کی طرف سے ہے' لہٰذا اب مسجد کا رخ کرنا اور نماز پڑھنا ہے۔ لیکن نفس کہتا ہے کہ نہیں' ابھی سوتے رہو' ابھی آرام کرو' کیوں صبح کی میٹھی نیند کو خراب کرتے ہو! تو اس نوع کی کشمکش ہر شخص کے اندر ہر آن' ہر وقت ہوتی رہتی ہے' اسے ہر لحظہ ایسی کشمکش سے واسطہ پڑتا رہتا ہے۔ اس میں اگر آپ اپنے نفس کے ساتھ کشمکش کریں' اسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا مطیع بنائیں' تو یہ مجاہدہ مع النفس ہے' یہ اپنے اندر کا جہاد ہے۔ اسے نبی اکرم ﷺ نے افضل جہاد قرار دیا ہے۔ حضور ﷺ سے پوچھا گیا: اَیُّ الْجِھَادِ اَفْضَلُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ تو آپؐ نے فرمایا: ((اَنْ تُجَاھِدَ نَفْسَکَ فِیْ طَاعَۃِ اللّٰہِ)) سوال یہ تھا کہ "اے اللہ کے رسول ﷺ سب سے افضل جہاد کون سا ہے؟" جواب میں حضور ﷺ نے فرمایا: "یہ کہ تو اپنے نفس سے کشمکش کرے اور اسے اللہ کا مطیع بنائے"۔

بدقسمتی سے جہاد کا یہ تصور ہماری نگاہوں سے اوجھل ہو گیا ہے۔

اندر کی شخصیت سے پھر یہ جہاد باہر نکلے گا تو اب ہو گا "مجاہدہ مع الکفر" ـــــ یعنی نظریاتی سطح پر آپ ایمان کی دعوت دیجئے۔ کفر' الحاد' مادہ پرستی اور اباحیت کے خلاف تبلیغ' تلقین اور وعظ و نصیحت کیجئے اور دلائل و براہین پیش کیجئے۔ نظریاتی سطح پر اسلام و ایمان کی دعوت اور فروغ کا کام کیجئے۔ ظاہر بات ہے کہ ان کاموں میں مال بھی کھپے گا' جان بھی کھپے گی اور وقت بھی لگے گا۔ اسی وقت کو صرف کر کے آپ پیسہ کما سکتے ہیں' لیکن

یہ وقت آپ کو دعوت و تبلیغ میں لگانا ہے۔ یہ جہاد فی سبیل اللہ کی دوسری منزل ہوئی ـــــ پہلی مجاہدہ مع النفس اور دوسری مجاہدہ مع الکفر۔

تیسری منزل ہے "مجاہدہ مع الکفار" ـــــ بات اب اگر آگے بڑھے گی تو کشمکش ہو گی۔ کفار اپنے نظریئے کا غلبہ چاہتے ہیں اور مؤمن دین کا غلبہ چاہتا ہے! لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا۔ ان کے مابین پُرامن مفاہمت ناممکن ہے' لہٰذا تصادم ہو کر رہے گا۔ لیکن اس تصادم کے بھی مختلف مراحل ہوں گے۔ اس تصادم کا ابتدائی مرحلہ ہو گا صبر محض' جسے انگریزی میں Passive Resistance کہتے ہیں۔ مخالفین آپ پر تشدد کریں' آپ کو ستائیں' لیکن آپ اپنے موقف پر ڈٹے رہیں' پیچھے نہ ہٹیں اور پھر جوابا ہاتھ بھی نہ اٹھائیں۔ یہ پہلا مرحلہ ہے۔ لیکن جب طاقت اتنی فراہم ہو چکی ہو کہ آپ جوابی کارروائی بھی کر سکیں تو اس کو Active Resistance کہیں گے۔ اب آپ بھی اقدام کریں۔ دیکھئے مکہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو کیا حکم تھا! یہ کہ چاہے تمہیں دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹا دیا جائے' لیٹ جاؤ۔ تم جوابی اقدام نہیں کر سکتے' اپنی مدافعت میں بھی ہاتھ نہیں اٹھا سکتے۔ لیکن اس کے بعد وہ وقت آیا کہ ہاتھ کھول دیئے گئے۔ آیت نازل ہو گئی : ﴿ اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ﴾ یعنی آج سے اجازت دی جا رہی ہے ان کو جن پر ظلم کے پہاڑ توڑ دیئے گئے تھے کہ وہ اینٹ کا جواب پتھر سے دے سکتے ہیں۔ اور اس تصادم مع الکفار کا آخری درجہ ہے Armed Conflict یعنی مسلح تصادم۔ اور یہ ہے جہاد کی وہ بلند ترین چوٹی' جہاں پہنچ کر جہاد قتال بن جائے گا' جس کے بارے میں الفاظ آئے : ﴿ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ ﴾ مدینہ منورہ میں وہ وقت آیا کہ حکم آ گیا کہ اب تم پر جنگ فرض کر دی گئی ہے۔

پس یہ جہاد فی سبیل اللہ کے تین مراحل ہیں۔ اس کی غرض و غایت کیا ہو گی؟ اللہ کے دین کا غلبہ' اللہ کے دین کو قائم کرنا۔ وہ نظام جو اللہ تعالیٰ نے دیا' جو اس کے رسول ﷺ نے دیا' جو قرآن نے دیا اسے بالفعل نافذ کرنا۔ اس کے لئے پہلے مجاہدہ مع النفس ہے۔ یعنی اپنے اندر جو خدا کا دشمن موجود ہے' اسے زیر کرو ـــــ پھر مجاہدہ مع الکفر ہے۔ یعنی نظریاتی سطح پر اسلام و ایمان کی تبلیغ اور نشر و اشاعت کرو۔ پھر مجاہدہ مع الکفار ہے' جس میں صبر محض' اقدام اور وقت آنے پر مسلح تصادم کے مراحل ہیں۔

اور یہ جان لیجئے کہ نبی اکرم ﷺ نے اللہ کی راہ میں جان دینے کی آرزو رکھنے کو بھی ایمان کا ایک اہم ترین رکن قرار دیا ہے۔ یہ بات ٹھیک ہے کہ جنگ ہر وقت نہیں ہوتی۔ لیکن اگر دل میں حقیقی ایمان موجود ہے تو یہ تمنا موجود رہنی چاہیئے کہ کاش میری زندگی میں وہ وقت آئے کہ خالصتاً قتال فی سبیل اللہ کا مرحلہ آئے اور میں اس میں اپنی گردن کٹا کر اللہ تعالیٰ کی جناب میں سرخرو اور سبکدوش ہو جاؤں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا : ((مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَغْزُ وَلَمْ يُحَدِّثْ بِهِ نَفْسَهُ مَاتَ عَلَى شُعْبَةٍ مِّنَ النِّفَاقِ)) (صحیح مسلم) "جس شخص کی موت اس حال میں واقع ہوئی کہ نہ تو اس نے اللہ کی راہ میں جنگ کی اور نہ ہی اس کے دل میں اس کی آرزو پیدا ہوئی تو اس شخص کی موت ایک نوع کے نفاق پر واقع ہوئی" ـــــ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کو شوقِ شہادت سے معمور فرمائے۔

جہاد شروع تو مجاہدہ مع النفس سے ہوتا ہے لیکن اس کی آخری منزل وہی قتال فی سبیل اللہ ہو گی۔ یہ نگاہ سے اوجھل نہ ہونے پائے۔ اگرچہ اس کی کچھ شرائط ہیں' وہ پوری ہوں گی تو آپ وہاں پہنچیں گے' لیکن یہ آرزو دل میں رہنا کہ ہماری زندگی میں وہ مرحلہ بھی آئے' ایمان کی شرط لازم ہے۔ اگر یہ نہیں تو ایمان نہیں ہے۔

پس ایمان کے دو رُکن ہیں جو اس آیت مبارکہ کے حوالے سے ہمارے سامنے آئے۔ اب آپ جمع کر لیجئے۔ جب اسلام اور ایمان دونوں یکجا ہو جائیں گے تو گویا اقرار باللسان بھی ہو گا اور تصدیق بالقلب بھی۔ نماز' روزہ' حج اور زکوٰۃ اسلام کے ارکان کی حیثیت سے ہوں گے' جبکہ شک و شبہ سے مبرا ایمان دل میں اور جہاد فی سبیل اللہ بالنفس و بالمال عمل میں' یہ ایمان کے ارکان کی حیثیت سے ہوں گے' اور اس طرح گویا ایک بندۂ مؤمن کی شخصیت مکمل ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس نقشے پر پورا اترنے کی توفیق عطا فرمائے۔

بحمد اللہ' امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کے دروس و تقاریر پر مشتمل
تیسری CD بعنوان **اسلام اور خواتین** تیار کر لی گئی ہے
جس میں اہم معاشرتی موضوعات کے بارے میں قرآن و سنت کی راہنمائی پر مشتمل 15 تقاریر شامل ہیں
تیار کردہ : شعبہ سمع و بصر' مرکزی انجمن خدام القرآن' 36۔ کے' ماڈل ٹاؤن لاہور

ایمانِ حقیقی کے سرچشمے

بسلسلہ "حقیقت ایمان" از : ڈاکٹر اسرار احمد

(ابو عبدالرحمٰن شبیر بن نور کے مرتب کردہ "حقیقت ایمان" کے مباحث میں سے ایک اہم بحث سہواً شائع ہونے سے رہ گئی تھی، اسے اب ذیل میں ہدیہ قارئین کیا جارہا ہے)

(۱) قرآن حکیم :

ایمان کا سب سے بڑا منبع و سرچشمہ خود قرآن حکیم ہے۔ سورۃ الانفال میں سچے اہل ایمان کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا گیا : ﴿...وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْهِمْ اٰیٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِیْمَانًا...﴾ "اور جب ان کے سامنے اللہ کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ ان کے ایمان میں اضافہ کر دیتی ہیں"۔

ان نشستوں میں یہ بات وضاحت سے سامنے آچکی ہے کہ معرفتِ رب ہر انسان کے دل میں ودیعت شدہ ہے اور ضرورت صرف اسے جلا دینے یعنی activate کرنے کی ہے اور یہ صرف نورِ وحی سے ہی ممکن ہے۔ چنانچہ جب فطرتِ سلیمہ پر نورِ وحی کا نزول ہو گا تو نورِ ایمان وجود میں آجائے گا۔

ہمارا انسانی وجود ایک مرکب وجود ہے جو جسد اور روح پر مشتمل ہے۔ ہمارے جسدِ خاکی کی تمام ضروریات اس زمین سے پوری ہوتی ہیں۔ لیکن ہمارا روحانی وجود عالمِ امر کی شے ہے اور اس کے تغذیہ و تقویت کے لئے اللہ تعالیٰ نے عالمِ بالا سے قرآن حکیم نازل کیا ہے۔ ہماری زمینی حیات کا مبدأ پانی ہے اور یہی ہماری زندگی کا سرچشمہ ہے۔ عالمِ حیاتیات میں جو کام پانی سرانجام دیتا ہے وہی کام عالمِ امر میں قرآن کرتا ہے۔

ہماری پوری تحریک، جدّوجُہد اور جستجو کا یہی فلسفہ ہے کہ قرآن حکیم ایمان و یقین کا منبع و سرچشمہ ہے اور ضرورت صرف تعلیم و تعلّم کے ذریعے اسے عام کرنے کی ہے اور اسی ذریعے سے شعوری ایمان پیدا ہو گا۔

(۲) صحبتِ صاحبِ یقین :

صاحبِ یقین کی محفل اور صحبت اختیار کرنے سے غیر شعوری یا تقلیدی ایمان پیدا ہو گا، کیونکہ یہ خالص طبعی عمل ہے۔ مثلاً آپ آگ کے سامنے بیٹھے ہیں تو آپ کو حرارت

لازماً پہنچے گی' آپ کی کوئی محنت ہے یا نہیں' نہ آپ نے دماغ لڑایا نہ آپ کا ہاتھ ہلا نہ آگ جلائی' لیکن کیونکہ آپ آگ کے پاس ہیں لہٰذا حرارت ملے گی۔ اسی طرح آپ برف کی سِل کے قریب بیٹھیں تو ٹھنڈک پہنچے گی چاہے آپ خود اس کیلئے کوئی محنت کریں یا نہ کریں۔ اسی لئے قرآن حکیم مسلمانوں کو حکم دیتا ہے کہ : ﴿ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ ﴾ (التوبۃ : ۱۱۹) "سچوں کے ساتھ رہو" نتیجتاً تم خود بھی سچے بن جاؤ گے۔

اور قرآن حکیم کی اصطلاح میں سچے کون ہیں؟ فرمایا:

﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝ ﴾

(الحجرات : ۱۵)

"مؤمن تو صرف وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے' پھر انہوں نے کوئی شک نہیں کیا اور انہوں نے اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کے راستے میں جہاد کیا' صرف یہی لوگ (دعوائے ایمان میں) سچے ہیں۔"

اور وہ لوگ سچے نہیں ہو سکتے جو ساری عمر تنہائی میں بیٹھ کر ضربیں ہی لگاتے رہے اور جہادِ فی سبیل اللہ کے لئے نہیں نکلے۔ ان کا تصورِ دین ہی محدود ہے یا پھر فرائضِ دینی کا تصور ناقص ہے۔ علامہ اقبال کہتے ہیں :

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسمِ شبّیری
کہ رسمِ خانقاہی ہے فقط اندوہ و دلگیری

مَیں تو اُس ایمان کا قائل ہوں جو صحابہ اکرام رضی اللہ عنہم کا ایمان ہے یا گزشتہ صدی میں تحریکِ شہیدین کے لوگوں کا ایمان' یعنی سید احمد بریلوی شہید اور سید اسماعیل شہید اور ان کے ساتھی (رحمھم اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً) یہ لوگ ذکر و فکر کی حد تک تصوف کے بھی قائل تھے اور انہوں نے اس کا نام "سلسلۂ محمدیہ" تجویز کیا ہوا تھا۔ جس کا لازمی جزو تھا جہاد فی سبیل اللہ۔ اور یہ جذبہ یقین کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ایک عام آدمی کے لئے یقین کے مقام تک پہنچنے کے لئے "صاحب یقین" کی صحبت از حد ضروری ہے اور آسان ترین راستہ ہے۔ اس کے لئے نہ کوئی شعوری اور intellectual محنت درکار ہے اور نہ ہی کسی غیر شعوری اور non intellectual محنت کی ضرورت ہے' بس

Physical قرب کی ضرورت ہے۔

(۳) عمل صالح :

تقلیدی یا غیر شعوری ایمان کا دوسرا ذریعہ عملِ صالح ہے۔ مثلاً ایک شخص اسلام میں داخل ہو گیا' نہ اُس کے دل میں مثبت طور پر ایمان موجود ہے اور نہ ہی منفی انداز میں نفاق موجود ہے' گویا کہ وہ زیرو پوائنٹ پر کھڑا ہے۔ چونکہ اس کا دھوکہ دینے یا بے ایمانی کا کوئی ارادہ نہیں ہے لہٰذا عمل صالح کے ذریعے ایمان پیدا ہو گا۔[1]

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :

﴿ قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ﴾ (الحجرات : ۱۴)

"یہ بدّو کہتے ہیں ہم ایمان لا چکے ہیں۔ (اے نبیؐ) کہہ دیں تم ہرگز ایمان نہیں لائے' بس یہ کہو کہ ہم اسلام (یا اطاعت) میں داخل ہو گئے ہیں' اور ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا ہے۔ اور ہاں اگر تم اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرتے رہو گے تو وہ تمہارے اعمال میں کچھ بھی کمی نہیں کرے گا' یقیناً اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے"۔

تو معلوم ہوا کہ اگر دل ایمان سے خالی ہو اور ظاہری اطاعت ہو تب بھی اللہ کے ہاں اعمال ضائع نہیں ہوتے کیونکہ اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اور نیک اعمال کوئی اَنجھ عمل نہیں ہے' بلکہ بڑا productive اور profound عمل ہے۔ صحیح نماز پڑھی جائے اور دل میں ایمان پیدا نہ ہو' یہ کیسے ممکن ہے؟ متعدد بار[2] ایسا ہوا کہ کوئی دیہاتی' کوئی بکریاں چرانے والا' کوئی دور دراز مقام پر رہنے والا آنحضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا : یا رسول اللہ! دین مجھ سے کیا چاہتا ہے؟ یا پوچھا : میری کم سے کم ذمہ داریاں کیا ہیں؟ میں جنت میں جانا چاہتا ہوں' بس مختصر سا راستہ بتلا دیں۔ اس قسم کے سوالات کے جواب میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔ "اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ' نماز قائم کرو' زکوٰۃ ادا کرو' رمضان کے روزے رکھو' طاقت ہو تو حج کر لو"۔ طالبِ حقیقت نے اقرار

کیا کہ میں یہ سب کچھ کروں گا۔ تو جب وہ شخص محفل سے ذرا دور ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا : "جس کسی نے جنتی دیکھنا ہو اُسے دیکھ لے وہ جا رہا ہے"۔ جس طرح شعوری ایمان کے نتیجے میں عمل صالح پیدا ہوتا ہے اسی طرح عمل صالح کے نتیجے میں ایمان پیدا ہوتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ عمل صالح کے ذریعے جو ایمان پیدا ہو گا وہ غیر شعوری (non intellectual) اور تقلیدی ہو گا۔ دورِ حاضر کے مسلمانوں کی اکثریت اس لئے مسلمان ہے کہ اُن کے والدین مسلمان تھے۔ لیکن اگر انہوں نے نماز پڑھی، روزے رکھے اور دیگر نیک اعمال کئے تو اُن اعمال کے ذریعے کچھ نہ کچھ ایمان پیدا ہو گا، چاہے انہیں اُس کا شعور نہ ہو، اُس کے دلائل اور تفصیلات معلوم نہ ہوں، انہوں نے ذہنی محنت نہ کی ہو اور نہ ہی ایمان کی خاطر قربانی دی ہو، لیکن بہرحال عمل کے ذریعے بھی ایمان پیدا ہو گا اور ہوتا ہے۔

منزلِ ایمان کا راستہ 'اسلام' :

سورۃ الحجرات کی آیت ۱۴ ذہن میں رکھیں اور یہ بھی یاد رہے کہ یہ اُن لوگوں کے بارے میں ہے جو نہ مخلص مؤمن تھے اور نہ ہی دھوکہ باز منافق۔ بس کسی وجہ سے اسلام میں داخل ہو گئے۔ اِنہی لوگوں میں سے کچھ حضرات نے رسول اللہ ﷺ پر اس طرح کی دھونس جمانی چاہی کہ ہم بغیر کسی لڑائی جھگڑے کے مسلمان ہوئے ہیں۔ اِن حالات میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

يَمُنُّونَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ۭ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝

(الحجرات : ۱۷)

"(اے نبیؐ) یہ لوگ آپ پر احسان دھر رہے ہیں کہ اسلام لے آئے۔ فرما دیں : مجھ پر اپنے اسلام کا احسان نہ دھرو بلکہ اللہ تم پر احسان دھرتا ہے کہ اس نے تم کو ایمان کا راستہ دکھایا (اگر تم اپنے دعوائے اسلام میں) سچے ہو۔"

تو آیت سے معلوم ہوا کہ ظاہری اسلام "منزلِ ایمان" کا راستہ ہے لیکن اگر معاملہ برعکس ہو اور انسان ظاہری اسلام میں بھی دغاباز اور جھوٹا ہو تو پھر یہ راستہ نفاق کی طرف

جاتا ہے۔ اور نفاق کی جملہ پستیاں ہم بیان کر چکے ہیں۔

عمل صالح اور صحبتِ صاحبِ یقین سے جو ایمان پیدا ہو گا اس کا نتیجہ غیر شعوری اور تقلیدی (non intellectual) ایمان ہے۔ عوام کی عظیم اکثریت اسی ایمان کو مانتی اور جانتی ہے اور ان کے لئے یہی کفایت کرتا ہے۔

صوفیاء کا طرزِ دعوت و تزکیہ :

ہمارے ہاں کے صوفیاء ائمہ دونوں طریقوں پر عمل کرتے تھے : (۱) صحبت جو بیعتِ ارشاد کی پہلی کڑی ہے۔ (۲) بھاری مشقتیں اور عملی ریاضتیں یعنی مراقبے' اشغال' تپسیائیں اور چلّے وغیرہ۔ یہ سب کیا ہے؟ عمل کی شدت ہی تو ہے۔

آج کے دور میں اس طریق کار (methodology) کو تبلیغی جماعت نے بڑے پیمانے پر اختیار کیا ہے۔ "اسلام کی نشأۃ ثانیہ' کرنے کا اصل کام" نامی کتابچے میں تجزیہ کر کے میں نے بتایا ہے کہ دورِ جدید یا عصر حاضر کی دینی تحریکوں میں کیا کمی ہے۔ میرے خیال میں ان جماعتوں کو ایمان پر جس قدر زور دینا چاہئے تھا انہوں نے نہیں دیا' بلکہ اسلام کی جدّوجُہد اور تحریک پر زیادہ زور دیا ہے۔

تبلیغی جماعت اور اس کا کام :

دورِ حاضر کی دینی تحریکوں میں صرف "تبلیغی جماعت" نے ایمان کو موضوع بنایا ہے اور انہوں نے ایک اصطلاح ہی "ایمان کی محنت" وضع کر ڈالی ہے۔ یعنی چالیس دن کے لئے نکلو' ہمارے ساتھ رہو۔ مسجد کے ماحول میں رہنے کی برکت سے کم سے کم چالیس دن تک تو کوئی نماز قضا نہیں ہو گی' بلکہ تکبیر اولیٰ بھی نہیں چھوٹے گی۔ معاشرتی برائیوں سے بچے رہو گے' مثلاً جھوٹ' گالی گلوچ' غیبت وغیرہ وغیرہ۔ ریڈیو' ٹی وی' ٹیپ ریکارڈر وغیرہ سے نشر ہونے والی بالجبر موسیقی کی آواز سے محفوظ رہو گے۔ گویا کہ یہ چلتی پھرتی خانقاہیں اور تربیت گاہیں ہیں۔ فرائض کی پابندی کے ساتھ ساتھ نفلی کام ہیں' اذکار ہیں' دعائیں ہیں' ہر موقع کی مناسبت سے مسنون دعائیں ہیں۔ عملی محنت کے طریق کار کو تبلیغی جماعت نے اس دور میں بڑے پیمانے پر اپنایا ہے۔ البتہ اس میں فکر' ذہن' سوچ کا کوئی دخل نہیں۔ آپ کیوں اور کیسے کا سوال بھی نہیں کر سکتے۔ قرآن حکیم کا صرف متن

پڑھو' تلاوت کرو اور ثواب حاصل کرو۔ ترجمہ بھی مت پڑھو ـــــ اور یہیں سے میرا تبلیغی جماعت سے نقطۂ اختلاف (Point of departure) شروع ہو جاتا ہے۔

بہرحال جو کام پہلے صوفیائے کرام ڈیرہ زن قسم کی اپنی خانقاہوں اور تربیت گاہوں کے ذریعے کیا کرتے تھے وہی کام اب تبلیغی جماعت گھوم پھر کر کر رہی ہے۔ حفیظ جالندھری کا شعر ہے ؎

کیا پابندِ نَے نالے کو مَیں نے
یہ طرزِ خاص ہے ایجاد میری

یہ طریق کار ایجاد ضرور ہے لیکن Intellectual سطح پر نہیں ہے۔ بہرحال اس ذریعے سے بھی تقلیدی ایمان حاصل کیا جا سکتا ہے۔

اس راہ میں آنے والی ریاضتوں اور مشقتوں کو آپ نفسیاتی ریاضتیں بھی کہہ سکتے ہیں۔ ذکر کی کثرت ایک auto suggestion کے درجے میں بھی آ سکتی ہے۔ یہ سارے طریق کار آج بھی جدید نفسیات میں استعمال ہو رہی ہیں۔

علامہ اقبال کا موقف اور ریاضتیں

علامہ اقبال نے کہا ہے "آج کا انسان اتنی شدید مشقتوں کا متحمل نہیں ہو سکتا جس قدر پچھلے زمانے کا انسان تھا۔" ان کی یہ بات بڑی pragmatic اور بڑی حقیقت پسندانہ ہے۔ ہم لوگ آسانیوں اور آسائشوں کے عادی ہو گئے ہیں۔ زندگیوں میں وہ مشقت نہیں رہی۔ ایک زمانہ تھا کہ سال ہا سال تک جنگلوں کی سیر ہو رہی ہے۔ ہمارے صوفیاء کے تذکرے چھپے ہوئے ہیں کہ چالیس چالیس' پچاس پچاس سال تک گزر گئے اور ریاضتیں جاری رہیں۔

آگے چل کر علامہ اقبال کہتے ہیں کہ : "آج کے لئے کوئی اور techniques ایجاد کرنا ہوں گی"۔ میرے نزدیک علامہ کی بات صد فی صد درست ہے' کیونکہ جو بوجھ اور مشقتیں صوفیاء کرواتے تھے انہیں تو پڑھ کر ہی آدمی کانپ جاتا ہے۔ اگر ایمان کا حصول ان مشکلات و مصائب پر منحصر ہے تو ایمان بڑی نادر چیز کا نام ہے اور اس کا حصول انتہائی دشوار ہے۔

نورِ ایمان حاصل کرنے والوں کے مراتب

ذرا گہرائی سے دیکھیں تو جس قدر انسان اس دنیا میں آباد ہیں اتنے ہی راستے اللہ کی طرف جانے والے ہیں۔ ہر ایک کی اپنی طبیعت اور اپنا مزاج ہے۔ اور ہر آدمی اپنی طبیعت اور مزاج کے اعتبار سے راستے کا انتخاب کرے گا۔ لیکن بغرضِ تفہیم ہم ان انسانوں کو تین درجوں میں تقسیم کر لیتے ہیں۔

(۱) صِدّیقین : جس شخص کی فطرت صالحہ ہے یا فطرت سلیمہ ہے' آئینۂ قلب صاف وشفاف ہے' دل زندہ و بیدار ہے' روح بے تاب ہے۔ وہ جب دعوتِ ایمان قبول کرتا ہے تو اس کا شمار صِدّیقین میں ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے : ﴿ اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ۝ ﴾ (الصّٰفّٰت : ۸۴) "جب وہ قلبِ سلیم لئے اپنے رب کے حضور پیش ہوا" ـــــ اس کا دل یعنی فطرت سلیم ہے اور مسخ شدہ (perverted) نہیں ہے' یا یوں کہہ لیں کہ اس پر پردے یا زنگ نہیں ہے۔ دل زندہ و بیدار ہے' ؎

مجھے یہ ڈر ہے دلِ زندہ تُو نہ مر جائے
کہ زندگانی عبارت ہے تیرے جینے سے

ایسے ہی افراد کے بارے میں قرآن حکیم کہتا ہے : ﴿ لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ ﴾ (ق : ۳۷) یہ بات اُس شخص کو سمجھ آئے گی جس کے پاس دل ہو۔ قلب تو سب کے پاس ہوتا ہے' مُراد ہے "قلبِ بیدار۔" ہاں' واقعتاً کچھ لوگ ہوتے ہیں جن کو اندر ہی سے محسوس ہو رہا ہوتا ہے کہ حقیقت وہ نہیں جو نظر آ رہی ہے' بلکہ کچھ اور ہے۔ کنفیوشس ایک حکیم انسان تھے' ان کا جملہ ہے :

There is nothing more real than what cannot be seen and there is nothing more certain than what cannot be heard.

"جو اِن آنکھوں سے دیکھی نہ جا سکے اُس سے بڑی حقیقت کوئی نہیں ہے اور جو ان کانوں سے سنی نہ جا سکے اُس سے زیادہ یقینی بات کوئی نہیں ہے"۔

مولانا رومؒ کی مثنوی کے اس شعر کے مصداق کہ

بشنو از نے چوں حکایت می کند وز جدائی ہا شکایت می کند

روحِ انسانی اس زنداں خانے میں آکر اللہ سے حجابات کی شکایت کرتی ہے۔ فطرتِ سلیمہ کے مالک' آئینۂ قلب صاف وشفاف' دل زندہ وبیدار اور روح بے تاب' یہ صدیقین کی صفات ہیں۔ ایسے لوگوں کے سامنے جونہی نورِ وحی آتا ہے قبول کر لیتے ہیں جیسے اسی کے لئے بے تاب بیٹھے تھے۔ اس زمرے میں سیّد الصِّدّیقین حضرت ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ ہیں جن کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :

((مَا عَرَضْتُ الْاِسْلَامَ عَلٰی اَحَدٍ اِلَّا کَانَتْ لَهٗ کَبْوَةٌ اِلَّا اَبَوْبَکْرٍ فَاِنَّهٗ لَمْ یَتَلَعْثَمْ فِیْ قَوْلِهٖ)) (۴)

"میں نے جس شخص کے سامنے بھی اسلام کی دعوت رکھی اس نے کچھ نہ کچھ توقف ضرور کیا سوائے ابو بکر کے' انہوں نے ایک لحظ کا بھی توقف نہیں کیا۔"

یہ توقف نہ ہونے کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ سب کچھ اندر نورِ فطرت کی شکل میں موجود تھا۔ بس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے نورِ وحی کی چمک دکھائی اور وہ جاگ اٹھا۔

نورِ وحی کی خوبصورت ترین مثال قرآن حکیم میں اِن الفاظ کے ساتھ بیان ہوئی ہے :

﴿ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ کَمِشْکٰوةٍ فِیْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ کَاَنَّهَا کَوْکَبٌ دُرِّیٌّ یُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَکَةٍ زَیْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِیَّةٍ وَّلَا غَرْبِیَّةٍ ۙ یَّکَادُ زَیْتُهَا یُضِیْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ ؕ یَهْدِی اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَیَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝ ﴾

(النور : ۳۵)

"اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ (۵) (کائنات میں) اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق میں چراغ رکھا ہوا ہو' چراغ ایک فانوس میں ہو' فانوس کا حال یہ ہو کہ جیسے موتی کی طرح چمکتا ہوا تارا' اور وہ چراغ زیتون کے ایک ایسے مبارک درخت کے تیل سے روشن کیا جاتا ہو جو نہ شرقی ہو نہ غربی' جس کا تیل آپ ہی آپ بھڑکا پڑتا ہو چاہے آگ اس کو نہ لگے' (اِس طرح) روشنی پر روشنی (بڑھنے کے تمام اسباب جمع ہو گئے ہوں)۔ اللہ اپنے

نور کی طرف جس کی چاہتا ہے راہنمائی کرتا ہے' وہ لوگوں کو مثالوں سے بات سمجھاتا ہے۔ اور اللہ ہر چیز سے خوب واقف ہے"۔

صدّیقین کے ایمان کی یہی کیفیت ہوتی ہے۔ ذاتی طور پر فطرت سلیم' قلب شفاف' روح بیدار و بے تاب' آئینہ قلب زندہ' جیسے ہی نورِ وحی آیا جگمگا اٹھا۔ تو معلوم ہوا کہ نور ایمان کے دو جزو ہوئے' نورِ فطرت + نورِ وحی۔ دونوں مل گئے تو "نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ" بن گئے' اسی کے بارے میں کہا گیا ہے۔ ~

نغمے بے تاب ہیں تاروں سے نکلنے کے لئے
اک ذرا چھیڑ تو دے زخمہء مضرابِ حیات

امام ابن تیمیہ ؒ امام ابن قیم الجوزیہ ؒ کے شاگرد ہیں۔ ان کی ایک کتاب "الفوائد" ہے۔ یہ تفسیر نہیں' بلکہ مقالات کا مجموعہ ہے۔ سورۂ ق کی آیت ۳۷ ہے :

﴿ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَذِکْرٰی لِمَنْ کَانَ لَہٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَی السَّمْعَ وَھُوَ شَھِیْدٌ ۝ ﴾

"اس میں نصیحت ہے ہر اُس شخص کے لئے جو دل رکھتا ہو یا جو توجہ سے بات کو سنے"۔

یہاں حرف "اَو" (بمعنی "یا") آیا ہے' واوَ (بمعنی "اور") نہیں آیا۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ ایمان کی تحصیل کی دو صورتیں ممکن ہیں۔ یا دل بیدار ہو یا کم سے کم انسان بات کو کان لگا کر اور دھیان سے سنے۔

امام ابن قیمؒ اس آیت کے حوالے سے کہتے ہیں :

"کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جب وہ قرآن پڑھتے ہیں تو محسوس کرتے ہیں کہ قرآن مصحف میں لکھا ہوا نہیں ہے بلکہ اُن کے لوحِ قلب پر لکھا ہوا ہے' گویا کہ اپنی فطرت اور قرآن میں اتنی کامل مطابقت محسوس کرتے ہیں"۔

اور یہ مقام صرف صِدّیقین کو حاصل ہے۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا مِنْھُمْ۔

(۲) <u>مجوبین</u> : دوسرے اور درمیانی درجے میں "مجوبین" آتے ہیں جن کے دل پر کچھ حجابات اور پردے ہیں' کچھ زنگ آ گیا ہے' آئینۂ دل پر گرد پڑ گئی ہے' گویا کہ "مجوب" ہو گئے ہیں' اور یہ حجابات چار قسم کے ہوتے ہیں :

(۱) عدمِ توحید۔
(۲) دنیاداری میں انہماک۔[۶]
(۳) اعمالِ بد کا زنگ۔[۷]
(۴) خواہشاتِ سفلیہ (حُبِّ دنیا+حُبِّ مال+حُبِّ شہرت+حُبِّ جاہ)[۸]

ایسے لوگوں کے لئے ضروری ہے کہ افہام و تفہیم کے انداز میں انہیں کچھ سکھایا اور پڑھایا جائے اور اُن کے عقلی حجابات دور کرنے کی کوشش کی جائے۔ ایسے لوگوں کے لئے قرآن کا ایک اپنا طریق کار ہے۔ ایسے ہی لوگوں کو توجہ دلانے کے لئے قرآن کہتا ہے :

﴿ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ۝ ﴾ (آل عمران : ۱۹۰)

"یقیناً زمین و آسمان کی پیدائش میں اور رات اور دن کو باری باری لانے میں اہلِ دانش کے لئے نشانیاں ہیں"۔

اسی لئے شاعر نے کہا ہے ؎

برگِ درختانِ سبز در نظر ہوشیار
ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار

اور اس قسم کی نشانیاں ہر انسان کے اندر بھی موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

﴿ وَفِی الْاَرْضِ اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ ۝ وَفِیْٓ اَنْفُسِكُمْ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ ﴾ (الذاریات : ۲۱)

"اور زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں یقین کرنے والوں کے لئے، اور خود تمہارے اپنے وجود میں ہیں، کیا تم کو سوجھتا نہیں؟"

دوسری جگہ فرمانِ ربانی ہے :

سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ﴾ (فُصِّلت / حٰمٓ السجدۃ : ۵۳)

"عنقریب ہم اُن کو اپنی نشانیاں آفاق میں بھی دکھائیں گے اور اُن کے اپنے نفس میں بھی یہاں تک کہ اُن پر یہ بات کھل جائے گی کہ یہ قرآن واقعی برحق ہے"۔

اگر حجابات بہت گہرے نہیں ہیں تو آفاقی و انفسی آیات پر غور کرنے سے اللہ یاد آ ہی جائے

گا اور پردے دُور ہو جائیں گے ؎

کھول آنکھ، زمیں دیکھ، فلک دیکھ، فضا دیکھ!
مشرق سے اُبھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ!

یا ؏

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغِ زندگی

مختلف آفاقی نشانیوں کی طرف توجہ دلاتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

﴿ اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ○ وَاِلَی السَّمَآءِ کَیْفَ رُفِعَتْ○ وَاِلَی الْجِبَالِ کَیْفَ نُصِبَتْ○ وَاِلَی الْاَرْضِ کَیْفَ سُطِحَتْ○ فَذَکِّرْ ط اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَکِّرٌ○ لَسْتَ عَلَیْھِمْ بِمُصَیْطِرٍ○ ﴾

(الغاشیۃ : ۱۷-۲۲)

"کیا یہ اونٹوں کو نہیں دیکھتے کہ وہ کس طرح پیدا کئے گئے' اور آسمان کی طرف کہ کس طرح اونچا کیا گیا' اور پہاڑوں کی طرف کہ کس طرح گاڑ دیئے گئے اور زمین کی طرف کہ کس طرح بچھا دی گئی۔ پس آپ مسلسل نصیحت کرتے رہیں' یقیناً آپ کی ذمہ داری تو نصیحت کرنے والے کی ہے۔ آپ ان کے خلاف داروغہ نہیں ہیں"۔

سب سے اہم اور پہلا قدم اللہ تعالیٰ کو پہچاننا ہے' لہٰذا اب اُسے یاد بھی رکھو۔ یہ ڈور کا ایک سرا ہے' اسے تھامے رکھو۔ اگر ڈور الجھ گی تو سلجھے گی نہیں۔ اسی کا نام ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سچے طالبانِ حق کی نشانیاں اور اوصاف ان الفاظ میں بیان کئے ہیں' فرمایا :

﴿ اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ج رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ ھٰذَا بَاطِلًا ج سُبْحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ○ ﴾ (آل عمران : ۱۹۱)

"یہ وہ لوگ ہیں جو (ہر دم) اللہ کا ذکر کرتے ہیں چاہے کھڑے ہوں' چاہے بیٹھے ہوں اور چاہے اپنے پہلوؤں کے بل لیٹے ہوں' اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش پر غور کرتے ہیں اور (دعا کرتے ہیں) اے ہمارے پروردگار تو نے اسے بے فائدہ

پیدا نہیں فرمایا۔ تیری ذات سبحان ہے (ہر نقص و عیب سے پاک)' پس ہمیں آگ کے عذاب سے بچالے"۔

اس منزل پر پہنچ کر مزید تدبّر و غور و فکر جاری رہے تو طالبِ حق کا دل اس بات پر ٹھک جائے گا کہ یہ کائنات بغیر مقصد کے جاری نہیں ہے' اس کا نتیجہ نکلنا چاہیئے۔ یہ باطل نہیں ہے' بلکہ تخلیق بالحق ہے۔ ہر کام نتیجہ خیز ہے۔ اور اگر یہ ساری باتیں برحق ہیں تو ہمارے اندر جو نیکی اور بدی کا شعور اور ادراک ہے اُس کا نتیجہ کہاں ہے؟ اور گندم سے گندم اور جَو سے جَو پیدا نہیں ہو رہا' بلکہ نیکی کا الٹا نتیجہ نکل رہا ہے' تو لازماً کوئی اور عالم ہونا چاہیئے جس میں ہر کام کا صحیح حق مل سکے۔ مشہور فلاسفی کانٹ نے بہت صحیح جملہ لکھا ہے کہ خدا کی ہستی کے دو دلائل ہیں :

The stary heavens above and the moral law within

جب ایک انسان یہاں تک پہنچ گیا' اس نے آفاقی و انفسی آیات کے ذریعے اللہ تعالیٰ کو پہچان لیا اور یہ بھی جان لیا کہ یہاں ہر چیز کا نتیجہ ظاہر نہیں ہو گا' یہ دنیا نامکمل ہے' اس لئے کہ یہاں اخلاقی نتائج برآمد نہیں ہو رہے تو بے اختیار کہنے لگا کہ لازماً ایک اور جہان ہونا چاہیئے۔ جو شخص اپنی عقل سے یہاں پہنچ گیا اب اگر وہ قرآن پڑھ لے تو لپک کر مانے گا کہ ہاں' یہی بات صحیح ہے۔

اس طرح کے دانشور تو اپنی فکر کے ذریعے منزلِ ایمان کے کنارے پہنچ جاتے ہیں' نور کی ایک جھلک اُن کو اپنا گرویدہ بنا لیتی ہے' البتہ کچھ لوگ دلائل سننے کے بعد مانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اِن لوگوں کا حال اِن الفاظ میں بیان کیا ہے' فرمایا :

﴿ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ﴾

(آل عمران : ۱۹۳)

"اے ہمارے رب! ہم نے بآوازِ بلند ایمان کی پکار لگانے والے کو سنا' وہ کہہ رہا تھا کہ اپنے رب پر ایمان لے آؤ! چنانچہ ہم ایمان لے آئے۔"

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی بڑی خوبصورت تعبیر کی ہے' فرمایا : "ایک عقلی ایمان ہے جس میں سب سے پہلے اللہ کی معرفت' پھر آخرت کی معرفت ہے۔ دوسرا سمعی ایمان ہے"۔

ان دونوں طریقوں سے ایمان مکمل ہو جاتا ہے لیکن درجہ بدرجہ مکمل ہوتا ہے۔

جن کی فطرت صاف و شفّاف ہو اُن کو تو اتنا وقت نہیں لگتا' البتہ جن لوگوں کے دلوں پر پردے پڑے ہوئے ہوں اُن پر محنت کرنا ہوتی ہے' انہیں سمجھانا ہوتا ہے' سکھانا اور پڑھانا ہوتا ہے' بلکہ کچھ وقت تک انگلی پکڑ کر چلانا ہوتا ہے۔

ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ علامہ اقبال نے فرمایا تھا کہ آج کے دور میں انسان اتنی مشقت کا متحمل نہیں ہو سکتا جتنی کہ سابقہ دور میں خانقاہی ریاضتیں کروائی جاتی تھیں۔ ہمیں کوئی اور ہلکا اور نسبتاً آسان طریق کار اختیار کرنا ہو گا۔ علامہ اقبال نے متبادل راستہ تجویز نہیں کیا' البتہ میرے خیال میں اس کا آسان حل "ذکر و فکر" ہے۔

ذِکر و فکر

اس موضوع پر خود علامہ کے دو شعر بہت بلند مقام کے ہیں ؎

جز بقرآں ضیغمی روباہی است
فقرِ قرآں اصل شاہنشاہی است
فقرِ قرآں اختلاطِ ذکر و فکر
فکر را کامل نہ دیدم جز بہ ذکر!

یہ "ذکر و فکر" ایک مجموعہ (Complex) ہے۔ ان دو عناصر میں سے اگر کسی ایک کی مقدار کم ہو تو دوسرے عنصر کی مقدار بڑھانا ہو گی۔ چنانچہ اگر فکر کی کمی ہے تو ذکر زیادہ کرنا ہو گا اور اگر ذکر مشقت ہے تو فکر کو آگے بڑھاؤ۔ دونوں ضرب کھائیں گے تو نتیجہ ایک ہی نکلے گا۔ ذہین طبقہ اگر فکر پر زیادہ زور دے گا تو ذکر کی کم مقدار بھی کفایت کر جائے گی ـــــ واللہ اعلم۔

(۳) **مختومین** : تیسرا اور آخری درجہ ان لوگوں کا ہے جن کی کج روی راسخ ہو چکی ہے' حجابات نہایت گہرے اور دبیز ہو چکے ہیں' دل سیاہ ہو چکے ہیں' جیسا کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے :

((اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا اَخْطَاَ خَطِیْئَۃً نُکِتَتْ فِیْ قَلْبِہٖ نُکْتَۃٌ سَوْدَاءُ فَاِذَا ھُوَ نَزَعَ وَاسْتَغْفَرَ وَ تَابَ صُقِلَ قَلْبُہٗ وَاِنْ عَادَ زِیْدَ فِیْھَا حَتّٰی تَعْلُوَا قَلْبَہٗ وَھُوَ الرَّانُ الَّذِیْ ذَکَرَ اللّٰہُ ﴿ کَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ مَّا کَانُوْا

يَكْسِبُوْنَ ○ ﴾ (۹)

"جب بندہ ایک گناہ کرتا ہے تو اُس کے دل میں ایک سیاہ نکتہ لگ جاتا ہے' پھر وہ گناہ سے باز آجائے اور توبہ و استغفار کرے تو اس کا دل صاف ہو جاتا ہے' اور اگر وہ (توبہ کے بغیر) دوبارہ گناہ کرتا ہے تو اس سیاہی میں اضافہ کر دیا جاتا ہے۔ بالآخر گناہ سارے دل کو کالا کر دیتے ہیں۔ اسی کا نام "ران" (زنگ) ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے' فرمایا : "ہرگز نہیں' بلکہ ان کے کرتوتوں کی وجہ سے ان کے دلوں پر زنگ چڑھ گیا ہے"۔

اللہ تعالیٰ نے انہی لوگوں کے بارے میں مختلف مقامات پر مختلف انداز سے تبصرہ کیا ہے۔ فرمایا :

﴿ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ۭ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ﴾

(البقرہ : ۷)

"اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر مہر کر دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے۔"

سمع و بصر اور فواد سے صلاحیتیں چھن چکی ہیں۔ ایسے لوگ روحانی طور پر مرے ہوتے ہیں۔ انذار' تبلیغ' تبشیر' وعظ اور نصیحت' کچھ بھی کارگر ثابت نہیں ہوتا' چاہے تبلیغ کرنے والے حضرت محمد ﷺ ہی کیوں نہ ہوں اور بذریعہ قرآن تبلیغ کر رہے ہوں اور سننے والا خالص عربی ہو اور قرآن کو خوب سمجھ رہا ہو' لیکن وہ دل تک اثر نہیں کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَاۗءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ○ ﴾ (البقرۃ : ۶)

"یقیناً جن لوگوں نے (جاننے اور سمجھنے کے بعد) کفر کیا نتیجہ برابر ہے خواہ آپ انہیں آگاہ کریں یا نہ کریں' وہ ایمان نہیں لائیں گے۔"

یہی مضمون سورۃ یٰسین آیت ۱۰ میں بھی بیان ہوا ہے۔ اس کیفیت کی تعبیر قرآن یوں بھی کرتا ہے : یہ زندہ ہیں ہی نہیں' ان کی انسانیت مر چکی ہے' روح دفن ہو چکی ہے۔ یہ مقبرے اور چلتے پھرتے تعزیے ہیں۔ فرمایا :

﴿ لِيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝ ﴾ (یٰسین : ۷۰)
"تاکہ وہ (ہمارا نبی) اسے خبردار کردے جو زندہ ہو۔ البتہ کافروں پر تو حق کا قول یا حجت مکمل ہو جائے گی۔"

نیز فرمایا :

﴿ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ۝ وَمَا اَنْتَ بِهٰدِى الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ؕ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ ﴾ (النمل : ۸۰'۸۱ والروم : ۵۲'۵۳)

"یقیناً اے نبی! آپ ان مُردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ ہی بہروں کو سنا سکتے ہیں جب وہ خود ہی منہ پھیر کر چل دیں۔ اور نہ ہی آپ اندھوں کو اُن کی گمراہی میں ہدایت دے سکتے ہیں۔ آپ صرف اُن لوگوں کو سنا سکتے ہیں جو ہماری آیات پر ایمان لائیں' پھر وہ تابع فرمان بن کر زندگی گزاریں۔"

واضح رہے کہ اہم مضامین قرآن حکیم میں کم سے کم دو مرتبہ ضرور آتے ہیں۔

خلاصہ بحث :

(۱) شعوری ایمان جو بالقوۃ ہر روحِ انسانی کے اندر موجود ہے اس کو صرف قرآن کے ذریعے منور (activate) کیا جائے گا۔ ذہین لوگوں تک ایمان پہنچانے کا صرف یہی راستہ ہے جس پر میں خود (ڈاکٹر اسرار احمد) اور پوری انجمن خدام القرآن عرصۂ دراز سے کوشش و جستجو کر رہی ہے۔

(۲) جن لوگوں کے دل صاف وشفاف ہیں وہ آدھی بات سن کر ہی مکمل ایمان لے آتے ہیں۔

(۳) جن کے دلوں پر ہلکے پردے ہیں ان کو وعظ و نصیحت اور تبلیغ و تذکیر کے ذریعے ایمان تک لایا جائے۔

(۴) البتہ جن لوگوں کے دل گمراہی پر مہر زدہ ہیں اُن کے بارے میں ظاہری مایوسی کے باوجود اُن پر محنت جاری رکھی جائے گی اور ساتھ ساتھ اللہ کے حضور ان کی ہدایت کی خاطر دعا بھی کی جائے گی۔(۱۰)

آخر میں ہم سب اپنے لئے اور پوری انسانیت کے حق میں دعا کرتے ہیں :

"رَبَّنَا فَاغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْعَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَ تَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ○ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَاتُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ ؕ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ○ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ○"

حواشی

۱) شعوری ایمان کے نتیجے میں اعمالِ صالحہ پیدا ہوں گے جس طرح بیج سے درخت پیدا ہوتا ہے اور اعمال صالحہ کے ذریعے ایمان کی جڑ پیدا ہو گی جس طرح کسی درخت کی قلم لگانے سے چند دن کے بعد جڑ بن جاتی ہے اور پھر یہی جڑ اس قلم کو پروان چڑھاتی اور خوراک مہیا کرتی ہے۔ (اضافہ از مرتب)

۲) صحیح ابن حبان (الاحسان)' ح ۳۴۳۸ و مسند البزار' ح ۲۵ و ابوداؤد' ح ۲۴۱۵ و مسند احمد ۳۹/۵ و ۴۰ و ۴۱ و ۵۲ و ۴۸ و سنن النسائی ۱۳۰/۴ و دیگر کتب حدیث۔

۳) سائیں عبدالرزاق صاحب دیپال پور میں رہتے تھے جو پڑھے لکھے نہ تھے۔ سلسلۂ نقشبندیہ سے متعلق تھے لیکن عمل میں خالص اہل حدیث۔ نصف النہار کے ساتھ ہی ظہر کی نماز پڑھتے تھے۔ وہ جہری ذکر کرتے تھے جس کی لذت میں اب بھی محسوس کرتا ہوں۔ چونکہ وہ روہتک ضلع حصار سے متعلق تھے لہٰذا اسی زبان میں وہ کہتے تھے: "جو دم غافل سو دم کافر"۔ گویا کہ ایمان و کفر کی یہ بھی ایک تعریف (definition) ہے۔ دوسرا جملہ وہ یہ کہتے تھے: "صحبت فرائض راکھی" یعنی صاحب یقین کی صحبت و قرب فرض رکھی گئی ہے۔ (ماخوذ)

۴) جامع الاصول لابن اثیر ۵۸۵/۸' ح ۶۴۰۵ بحوالہ رزین و الفردوس بماثور الخطاب المعروف مسند الدیلمی ۹۲/۴' ح ۶۲۸۶ و کنز العمال ح ۳۲۶۱۲۔

۵) "آسمانوں اور زمینوں کا نور اللہ ہے" کیا معنی؟ یعنی زمین و آسمان کی کل حقیقتیں اگر کھلیں گی تو اللہ کی طرف سے۔ آنے والے نور کے ذریعے۔ گویا کہ حقائق تک پہنچنے کی یہ کلید ہے۔ یہ بات پہلے بیان ہو چکی ہے کہ اندھیرا بے چینی و اضطراب کا سبب بنتا ہے کیونکہ آپ قرب و جوار کی اشیاء کو پہچان نہیں رہے ہوتے اور روشنی سکون کا ذریعہ ہے کیونکہ آپ اشیاء کی حقیقت کو پہچان رہے ہیں۔ اسی طرح ایمان باللہ حقائق تک رسائی کی کلید اعظم ہے۔ (ماخوذ)

۶) یعنی مشغولیت فی الدنیا اور یہ ان لوگوں میں سے ہوتا ہے جو خارج کی دنیا میں دلچسپی رکھنے

والے، اِدھر اُدھر جانے والے، کھیل کود اور تماشوں میں زندگی گزار دینے والے ہوں۔ ان لوگوں کے پاس حقائق پر غور کرنے کا وقت ہی نہیں ہوتا۔

۷) اور یہ وہی لوگ ہیں جن کے بارے میں قرآن حکیم نے کہا ہے: ﴿ كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴾ (المطففین: ۴) "بلکہ ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے ان کے دلوں پر زنگ آگیا ہے"۔

۸) جب زمین میں محنت سے بامقصد زراعت نہ کی جائے تو بے ڈھنگے جھاڑ بوٹے از خود اُگ آتے ہیں۔ یہی کیفیت ہوتی ہے ان لوگوں کی جنھوں نے دین کو سنجیدگی سے نہ پڑھا ہو اور ادھر ادھر کے فلسفے پڑھ لئے ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ حقیقی علم سے کورے ڈگری یافتہ جب غیر اسلامی فلسفہ پڑھتے ہیں تو نہ مسلمان رہتے ہیں اور نہ کافرانہ فلسفہ ہضم کرنا ان کے لئے آسان ہوتا ہے۔ (ماخوذ)

۹) سنن الترمذی، کتاب التفسیر، باب ۷۴، ح ۳۳۳۴ و سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، باب ذکر الذنوب، ح ۴۲۴۴ والسنن الکبریٰ للنسائی ۶/۵۰۹، کتاب التفسیر سورۃ المطففین، ح ۱۱۶۵۸۔ امام الترمذی نے حدیث کو "حسن صحیح" کہا ہے۔ علامہ الالبانی نے سنن الترمذی و سنن ابن ماجہ کی تحقیق میں حدیث کو "حسن" قرار دیا ہے۔

۱۰) سنّتِ مہجورہ: اس میں کوئی شک نہیں کہ تیسرے درجے پر پہنچنے والے لوگ شدید گمراہی کا شکار ہوتے ہیں۔ ان کے دل مردہ اور دیگر صلاحیتیں حق کے لئے بند بلکہ مہر زدہ ہوتی ہیں۔ لیکن مبلغین، دعاۃ اور علماء کا فرض ہے کہ وہ حتی الوسع ان تک دین کی آواز پہنچانے کی کوشش کرتے رہیں۔ یہ کہہ کر جان چھڑا لینا تو بڑا آسان ہے کہ یہ گمراہ قوم ہے ان پر محنت کا کیا فائدہ؟ یہ جملہ کسی کو بھی آخرت کی جواب دہی سے نجات نہ دلا سکے گا۔ بلکہ سیرت طیبہ کا مطالعہ کر کے دیکھیں تو معلوم ہو گا کہ رسول اللہ ﷺ نے آخری لمحہ حیات تک امت کو خیر پہنچانے کی بھرپور کوشش کی۔ اس ضمن میں دوسری اہم سنت جس کو ہم سب بھلائے بیٹھے ہیں وہ یہ ہے کہ کافروں کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا کہ اے اللہ! ہمارے ان انسانی بھائیوں کو تُو اپنے فضل و کرم سے ہدایت عطا فرما۔ اس کے لئے خلوت کا وقت اور بالخصوص رات کا آخری پہر بہت مبارک وقت ہے۔ ذرا غور کریں کہ نبی ﷺ کس طرح عاجزی و انکساری کے ساتھ عام کافروں کے حق میں اور بالخصوص صاحبِ حیثیت حضرات کے حق میں دعا کیا کرتے تھے۔ اور ہمیں بھی اس سنت کو زندہ کرنا چاہئے۔ (اضافہ از مرتب)

دینِ ابراہیمؑ اور ریاستِ اسرائیل
قرآن مجید کی روشنی میں(۵)

تالیف : عمران این حسین ـــــــ اردو ترجمہ : سید افتخار احمد

باب چہارم(۲)

یہود پر اللہ تعالیٰ کی لعنت

انجام کار قرآن مجید اللہ تعالیٰ کے غُصّہ کو بیان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ یہود سے اس درجہ ناراض ہوا کہ ان پر پھٹکار کردی :

﴿ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ۭ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝ ﴾

(البقرۃ ۲ : ۸۸)

"وہ کہتے ہیں ہمارے دلوں پر غلاف ہے۔ بلکہ لعنت کی ہے ان پر اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کے سبب۔ سو بہت کم ایمان لاتے ہیں۔"

اللہ تعالیٰ نے پہلے ان کو متنبہ کیا کہ اگر انہوں نے قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ کا کلام نہ مانا تو وہ ان پر پھٹکار کردے گا :

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰٓى اَدْبَارِهَآ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّآ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ۭ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ۝ ﴾ (النساء ۴ : ۴۷)

"اے وہ لوگو جن کو کتاب (تورات) دی گئی' ایمان لاؤ اس پر جو ہم نے نازل کیا (قرآن مجید) جو تصدیق کرتا ہے اس کتاب کی جو تمہارے پاس ہے' پیشتر اس کے کہ ہم مٹا ڈالیں بہت سے چہروں کو پھر الٹ دیں ان کو پیٹھ کی طرف یا لعنت کریں ان پر جیسے ہم نے لعنت کی سبت کے دن والوں پر۔ اور اللہ تعالیٰ کا حکم تو ہو کر ہی رہتا ہے۔"

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَا اَنْزَلْنَآ مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَالْھُدٰی مِنْ بَعْدِ مَا بَیَّنّٰہُ لِلنَّاسِ فِی الْکِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِکَ یَلْعَنُھُمُ اللّٰہُ وَیَلْعَنُھُمُ اللّٰعِنُوْنَ ۝ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَیَّنُوْا فَاُولٰٓئِکَ اَتُوْبُ عَلَیْھِمْ ۚ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ۝ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَھُمْ کُفَّارٌ اُولٰٓئِکَ عَلَیْھِمْ لَعْنَۃُ اللّٰہِ وَالْمَلٰٓئِکَۃِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ۙ ۝ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا ۙ لَا یُخَفَّفُ عَنْھُمُ الْعَذَابُ وَلَا ھُمْ یُنْظَرُوْنَ ۝ ﴾ (البقرۃ ۲ : ۱۵۹۔۱۶۲)

"بے شک جو لوگ چھپاتے ہیں جو کچھ ہم نے نازل کیا تھا (تورات میں) صاف احکام اور ہدایت کی باتیں اور جو واضح احکام نازل کر چکے ہیں اس کتاب (قرآن مجید) میں لوگوں کے واسطے' ان پر لعنت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اور ان پر لعنت کرتے ہیں سب لعنت کرنے والے۔ مگر جنہوں نے توبہ کی اور درست کیا اپنے کام کو اور بیان کر دیا حق بات کو تو ان کو میں معاف کرتا ہوں' اور میں بڑا معاف کرنے والا اور نہایت مہربان ہوں۔ بے شک جو لوگ منکر ہوئے (قرآن مجید کے) اور مر گئے کافر ہی' ان پر لعنت ہے اللہ تعالیٰ کی اور فرشتوں کی اور سب لوگوں کی۔ وہ ہمیشہ رہیں گے اس لعنت میں۔ ان پر سے عذاب ہلکا نہ ہوگا اور نہ ان کو مہلت ملے گی"۔

پھر جب ان کا قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ کا کلام اور محمد رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا پیغمبر ماننے سے انکار عیاں ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت کر دی :

﴿ وَلَمَّا جَآءَھُمْ کِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰہِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَھُمْ ۙ وَکَانُوْا مِنْ قَبْلُ یَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَی الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَھُمْ مَّا عَرَفُوْا کَفَرُوْا بِہٖ ۚ فَلَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ ۝ ﴾ (البقرۃ ۲ : ۸۹)

"اور پھر جب پہنچی ان کے پاس کتاب (قرآن مجید) اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو سچا بتاتی ہے اس کتاب (تورات) کو جو ان کے پاس ہے' باوجودیکہ پہلے سے فتح مانگتے تھے کافروں پر' پھر جب پہنچا ان کے پاس جس کو پہچان رکھا تھا (کہ سچ ہے) تو اس سے منکر ہو گئے۔ سو لعنت ہے اللہ تعالیٰ کی ان منکروں پر۔"

﴿ کَیْفَ یَھْدِی اللّٰہُ قَوْمًا کَفَرُوْا بَعْدَ اِیْمَانِھِمْ وَشَھِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَھُمُ الْبَیِّنٰتُ ۭ وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۝ اُولٰٓئِکَ

جَزَآءُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۙ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ۙ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۫ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ﴾

(آل عمران ۳ : ۸۶-۸۹)

"کیونکر راہ دکھائے گا اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو کہ کافر ہو گئے ایمان لا کر اور یہ گواہی دے کر کہ بیشک یہ رسول (محمد ﷺ) سچا ہے اور آ چکیں ان کے پاس نشانیاں روشن (قرآن مجید) اور اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا ظالم لوگوں کو۔ ایسے لوگوں کی سزا یہ ہے کہ ان پر لعنت ہے اللہ تعالیٰ کی اور فرشتوں کی اور سب لوگوں کی' وہ ہمیشہ رہیں گے اس میں' نہ ہلکا ہو گا ان سے عذاب اور نہ ان کو مہلت ملے گی۔ مگر جنہوں نے توبہ کی اس کے بعد اور نیک کام کئے' تو بیشک اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے۔"

ان (یہود) کے عیسیٰ علیہ السلام کو پیغمبر اور مسیح' جس کا ان سے وعدہ کیا گیا تھا اور جو کنواری ماں سے پیدا ہوا' ماننے سے انکار اور سرکشی نے بالآخر اللہ تعالیٰ کی لعنت کو دعوت دی :

﴿ فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ۟ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ۝ ﴾ (آل عمران ۳ : ۶۱)

"پھر جو کوئی جھگڑا کرے تجھ سے اس (عیسیٰ علیہ السلام) کے بارے میں بعد اس کے کہ آ چکی تیرے پاس خبر سچی تو کہدے : آؤ بلائیں ہم اپنے بیٹے اور تم اپنے بیٹے اور ہم اپنی عورتیں اور تم اپنی عورتیں اور ہم اپنی جانیں اور تم اپنی جانیں' پھر التجا کریں ہم سب اور لعنت کریں اللہ تعالیٰ کی ان پر کہ جو جھوٹے ہیں۔"

تب یہود کی عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کی کوشش کے سلسلہ میں اور ان کے تئیں اس میں کامیابی کے بعد اس پر فخر کرنے پر اللہ تعالیٰ ان کے لئے نہایت ہی منحوس انجام کا اعلان فرماتا ہے۔ یہود کے لئے ایک ہی جیسے دو ناپسندیدہ اختیارات تھے۔ یا تو وہ اپنے فخر کو ختم کر دیں' عیسیٰ علیہ السلام کی اطاعت تسلیم کریں اور ان پر اپنی زندگی ہی میں ایمان لائیں۔ یا پھر فرعون کی موت مریں۔ اور اگر عیسیٰ علیہ السلام کے منکر رہیں اور فرعون کی موت مریں تو انہیں یہ سب برداشت کرنا ہو گا :

۱) ہر ایک یہودی مرتے وقت جب اس کی روح اس کے جسم سے نکالی جا رہی ہو' عیسیٰ

علیہ السلام پر ایمان ظاہر کرے گا' جس طرح فرعون نے اپنی موت کے وقت اللہ تعالیٰ پر ایمان ظاہر کیا تھا۔

۲) اللہ تعالیٰ یہود کو تباہ کرے گا جس طرح اس نے فرعون کو تباہ کیا۔

چنانچہ فرعون کی لاش ان کے لئے ایک علامت ہے۔ یہ قرآن مجید کا بیان ہے اس واقعہ کے متعلق جس میں انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کی کوشش کی اور اس عمل کے نتیجہ میں یہود مرتے وقت اس انجام کو پہنچیں گے۔

﴿ وَقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ۭ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۝ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ۝ ﴾

(النساء۴ : ۱۵۷-۱۵۹)

"اور ان کے اس کہنے پر (فخریہ بیان کرنے پر) کہ ہم نے قتل کیا مسیح عیسیٰ ابنِ مریم کو جو اللہ تعالیٰ کا رسول تھا۔ حالانکہ فی الواقع انہوں نے نہ اس کو قتل کیا اور نہ سولی پر چڑھایا' بلکہ معاملہ ان کے لئے مشتبہ کر دیا گیا۔ اور جو لوگ اس میں مختلف باتیں کرتے ہیں تو وہ دراصل شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ ان کے پاس اس معاملہ میں کوئی علم نہیں بلکہ وہ صرف اٹکل پر چل رہے ہیں۔ یقیناً انہوں نے اس کو قتل نہیں کیا' بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی طرف اٹھالیا۔ اور اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والا ہے۔ اور اہل کتاب میں سے جتنے بھی ہیں (یعنی یہود) سو اس (عیسیٰ علیہ السلام) پر یقین لے آئیں گے اس کی موت سے پہلے (عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے پہلے یا یہودی کی موت سے پہلے جس وقت اس کے جسم سے جان نکالی جا رہی ہو گی) اور قیامت کے دن وہ (عیسیٰؑ) ان (یہود) پر گواہ ہو گا۔"

جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرعون کی سزا اور اس کی تباہی کا وقت آیا اس وقت موت سے لمحہ بھر پہلے فرعون اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا۔ قرآن مجید اس لمحہ کا تذکرہ بایں طور کرتا ہے :

﴿ وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْيًا

وَّعَدْوًا ۭ حَتّٰٓى اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَاۗءِيْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ (یونس ۱۰ : ۹۰)

"اور (دریا سے) پار کر دیا ہم نے بنی اسرائیل کو' پھر پیچھا کیا ان کا فرعون نے اور اس کے لشکر نے ظلم اور زیادتی کی غرض سے۔ یہاں تک کہ جب غرق ہونے لگا تو بولا : میں نے یقین کر لیا کہ کوئی معبود نہیں مگر جس پر ایمان لائے بنی اسرائیل' اور میں ہوں فرمانبرداروں میں سے۔"

اُس وقت اللہ تعالیٰ نے کیا کیا؟ یہ لمحہ ہے جس پر یہود کو متواتر غور کرنا چاہئے۔ کیونکہ یہ کسی اور کی نسبت ان سے زیادہ متعلق ہے۔ یقیناً یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہود کے لئے ایک خاص اشارہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرعون کے ایمان ظاہر کرنے کا جواب اس طرح دیا :

﴿ آلْئٰنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ۝ ﴾ (یونس ۱۰ : ۹۱، ۹۲)

"(اللہ تعالیٰ نے فرمایا :) اب یہ (ایمان لاتا ہے) اور اس سے پہلے تو نافرمانی کرتا رہا اور فساد پیدا کرنے والوں میں سے تھا۔ پس آج کے دن ہم تیرے بدن کو (ڈوبنے کے بعد خراب ہونے سے) بچائے دیتے ہیں۔ تاکہ تم (یعنی تمہارا بدن یا لاش) اپنے بعد آنے والوں کے لئے نشانی بن جاؤ۔ اور بے شک بہت سے لوگ ہماری قدرتوں (نشانیوں) پر توجہ نہیں کرتے۔"

چونکہ فرعون کی موت یہود کے لئے اہم نشان بننے والی تھی لہٰذا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ فرعون کی لاش کو محفوظ رکھے گا۔ چنانچہ فرعون کی لاش مل گئی جو پانی کے اثر سے محفوظ رہی۔ پھر وہ ہزاروں سال کے لئے نظروں سے اوجھل رہی' یہاں تک کہ جب یہود اللہ تعالیٰ سے سرکشی میں مسیح الدجال (Anti Crist) کی صیہونی تحریک کے فتنہ سے دھوکہ کھا گئے اور اپنے لئے ریاست اسرائیل کے قیام کا ہدف بنا لیا تو فرعون کی لاش جس کی سائنسی تحقیق نے تصدیق کی ہے' ۱۸۹۸ء میں لورت نامی شخص کو مل گئی۔ اور یہ قاہرہ کے عجائب گھر میں محفوظ ہے۔

لیکن ہر یہودی کی موت کے وقت اس کا عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانا اس یہودی کو اللہ

تعالیٰ کی سزا سے نہیں بچا سکے گا جو عیسیٰ علیہ السلام یا اللہ کے دوسرے پیغمبروں کے منکرین کا مقدر رہے۔ ہم یہ فرعون کے قصہ سے جانتے ہیں۔ موت کے وقت اس کا ایمان اس کے لئے بالکل فائدہ مند ثابت نہ ہوا۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے :

﴿ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۙ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ وَمَآ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ ۝ يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ۭ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ ۝ وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ۝ ﴾ (ھود ۱۱ : ۹۶-۹۹)

"اور البتہ بھیج چکے ہیں ہم موسیٰؑ کو نشانیاں اور واضح سند دے کر فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس، مگر انہوں نے فرعون کی پیروی کی، حالانکہ فرعون کا حکم راستہ پر نہ تھا۔ وہ قیادت کرے گا اپنی قوم کی قیامت کے دن، پھر پہنچائے گا ان کو آگ میں۔ بہت ہی بری جگہ ہے جہاں وہ پہنچائے جائیں گے۔ اور ان پر دُنیا میں بھی لعنت پڑی اور قیامت کے روز بھی پڑے گی۔ کیسا برا صلہ ہے جو کسی کو ملے!"

اگرچہ قرآن صاف الفاظ میں نہیں بتاتا کہ عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ تشریف لائیں گے، لیکن اس کے بارے میں پیغمبر محمد ﷺ کی بہت سی احادیث میں پیشین گوئی ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کی واپسی اسرائیلی ریاست کیلئے بالخصوص اور یہود کیلئے بالعموم بے شمار خطرناک پوشیدہ نتائج سے بھرپور ہے۔ "اَلْمَسِيْحُ الدَّجَّال" یا "عیسیٰ علیہ السلام کا مخالف" (Anti Christ) وہ شیطانی فریبی قوت ہے جس نے یہود کو دھوکہ دیا اور وہ ریاست اسرائیل کے قیام کی تباہ کن کوشش میں مصروف ہو گئے۔ اگرچہ وہ اب بھی غیبی دنیا سے مصروفِ عمل ہے، لیکن بالآخر اس کرۂ ارضی پر جسمانی طور پر ظاہر ہو گا۔ پیغمبر محمد ﷺ نے اعلان فرمایا کہ دجال کے ہمراہ ۷۰ ہزار یہودی ہوں گے۔ (صحیح مسلم، کتاب الفتن) عیسیٰ علیہ السلام جب ظاہر ہوں گے تو وہ دمشق سے (اسرائیل میں) لُد تک اس کا پیچھا کریں گے، جہاں وہ اس پر قابو پالیں گے اور اسے قتل کر دیں گے۔ (صحیح مسلم، کتاب الفتن)

یہ حقیقت کہ دجال دمشق سے یہودی ریاست اسرائیل (جو عیسیٰ علیہ السلام کے ظہور تک قائم رہے گی) کی طرف بھاگے گا، دجال اور یہود کے تعلق کو ظاہر کرتی ہے۔

عیسیٰ علیہ السلام کا ظہور اور دجال کا قتل یقیناً قیامت کی ایک نشانی ہے۔ لیکن قیامت ابھی برپا نہیں ہو گی۔ پیغمبر محمد ﷺ کے ارشاد کے مطابق :

"مسلمان یہود سے جنگ کریں گے اور مسلمان ان کو قتل کریں گے۔ یہود پتھروں اور درختوں کی اوٹ میں چھپتے پھریں گے۔ اُس وقت پتھر اور درخت پکار پکار کر کہیں گے : اے مسلمان! اے اللہ کے بندے!! میرے پیچھے ایک یہودی چھپا ہوا ہے' آؤ اور اسے قتل کرو۔ صرف "چوکور جھاڑی" جو یہود کا درخت کہلاتا ہے' اس سے مستثنیٰ ہو گا۔" (صحیح مسلم' کتاب الفتن)

یہ تباہی جو یہود کے انتظار میں ہے' اللہ تعالیٰ کے انتباہ کو مکمل کر دے گی جس میں وہ لوگ جو فرعون کے بعد آئیں گے اور اس کی طرح عمل کریں گے' ان کا انجام بھی وہی ہو گا جو فرعون کا ہوا۔ اور اس انتباہ کا ٹھوس ثبوت فرعون کی لاش کو محفوظ رکھنے میں تھا۔ اللہ تعالیٰ کی لعنت یہود پر اُن کی اس کمینی حرکت کے نتیجہ میں بھی تھی جو وہ مدینہ میں حضرت محمد ﷺ اور مسلمانوں کی مخالفت میں کر رہے تھے۔ وہ مسلمانوں کے خلاف اتحاد کے لئے مکہ کے بُت پرست عربوں کے پاس پہنچے (جس طرح آج وہ یورپ کی ملحدانہ تہذیب کو اپنائے ہوئے ہیں) اور انہوں نے بُت پرست عربوں کے مذہب کی تعریف کی (جس طرح آج وہ ملحدانہ جدت پسندی کی تعریف کرتے ہیں) کہ وہ اسلام سے بالاتر ہے :

﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۭ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ۝ ﴾ (النساء ۴ : ۵۱'۵۲)

"کیا تو نے نہیں دیکھا ان لوگوں کو جنہیں کتاب کا کچھ حصہ ملا ہے (یہود) جو مانتے ہیں بتوں کو اور شیطان کو اور کافروں کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ لوگ زیادہ راہِ راست پر ہیں مسلمانوں کی نسبت۔ یہ وہی ہیں جن پر لعنت کی ہے اللہ تعالیٰ نے' اور جس پر لعنت کرے اللہ تعالیٰ تو تُو اس کا کوئی مددگار نہ پائے گا۔"

یہود کا اللہ تعالیٰ سے عہد تھا۔ انہوں نے اس عہد کی خلاف ورزی کی' جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت کی۔ قرآن مجید میں اس لعنت کا ذکر یوں ہے :

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۭ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۚ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ ۭ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ

عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ○ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ○ ﴾

(المائدۃ ۵ : ۱۲، ۱۳)

"اور لے چکا ہے اللہ تعالیٰ عہد بنی اسرائیل سے۔ اور مقرر کئے ہم نے ان میں بارہ سردار اور کہا اللہ تعالیٰ نے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں' اگر تم قائم رکھو گے نماز' دیتے رہو گے زکوٰۃ' ایمان لاؤ گے میرے رسولوں پر اور مدد کرو گے ان کی اور قرض دو گے اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ (ربا کے بغیر قرض) تو یقین رکھو کہ دور کردوں گا میں تم سے تمہارے گناہ اور داخل کروں گا تم کو باغوں میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ پھر جو کوئی منکر ہوا تم میں سے اس کے بعد تو وہ بے شک گمراہ ہوا سیدھے راستہ سے۔
پھر ان کے سوا اپنے عہد کو توڑ ڈالنے پر ہم نے ان پر لعنت کی اور ہم نے ان کے دلوں کو سخت کر دیا۔ وہ (ہمارے) کلام کو اس کی جگہ سے پھیر دیتے تھے۔ اور وہ اس نصیحت سے جو ان کو کی گئی تھی' نفع اٹھانا بھول گئے۔ اور تمہیں آئے دن ان کے کسی نہ کسی دغا (دھوکہ فریب) کا پتہ چلتا رہتا ہے۔ ان میں سے بہت تھوڑے اس سے بچے ہوئے ہیں۔ سو تو ان کو معاف کر اور ان سے درگزر کر۔ یقیناً اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے احسان کی روش اختیار کرنے والوں کو۔"

اللہ تعالیٰ یہود سے اس قدر ناراض ہے کہ وہ روزِ محشر بہت ہی بری سزا کے مستوجب ہوں گے۔ ان کے پاس خوف ناک انجام سے بچنے کی ایک ہی صورت ہے کہ وہ اصل تورات' اصل انجیل اور قرآن مجید پر ایمان لائیں۔ قرآن مجید اس کی تصدیق کرتا ہے :

﴿ قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۭ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ○ وَاِذَا جَاۗءُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ ○ وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِي الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ

وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ○ لَوْلَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ○ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ؕ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ۘ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ ؕ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ؕ وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ؕ كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ۙ وَيَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ فَسَادًا ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ○ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ○ وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ؕ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ؕ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ○ ﴾ (المائدة ۵ : ۶۰-۶۶)

"کہہ دیجئے کیا میں تمہیں بتلاؤں ان میں سے کس کی بری جزا ہے اللہ تعالیٰ کے ہاں؟ وہی جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی اور ان پر غضب نازل کیا اور ان میں سے بعضوں کو بندر کر دیا اور بعضوں کو سور' اور جنہوں نے بندگی کی شیطان کی۔ وہی لوگ بدتر درجہ میں ہیں اور بہت بھٹکے ہوئے ہیں سیدھی راہ سے۔

اور جب تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے' حالانکہ وہ کافر ہی آئے تھے اور کافر ہی چلے گئے۔ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو چھپائے ہوئے تھے۔

اور تم ان میں سے بہت سوں کو دیکھو گے کہ دوڑ دھوپ کرتے ہیں گناہ' ظلم و زیادتی اور حرام کھانے پر (رباکے ذریعے)۔ بہت بُرے کام ہیں وہ جو کر رہے ہیں۔

کیوں نہیں منع کرتے ان کو ان کے درویش اور علماء گناہ کی بات سے اور حرام کھانے سے؟ بہت ہی برے عمل ہیں جو یہ کر رہے ہیں۔

اور یہود کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ کا ہاتھ بند ہو گیا۔ انہی کے ہاتھ بند ہو جائیں اور لعنت ہے ان کے اس کہنے پر۔ اس (اللہ تعالیٰ) کے تو دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں' عطا فرماتا ہے جس طرح چاہے' اور ان میں سے بہت سوں کا اس کلام سے' جو تیرے رب کی طرف سے تجھ پر نازل ہوا' شرارت اور انکار بڑھے گا۔ اور ہم نے قیامت تک ان میں دشمنی اور بیر ڈال رکھا ہے۔ وہ جب کبھی لڑائی کے لئے آگ بھڑکاتے ہیں تو اللہ

ہے جو ان پر قیامت تک رہے گی اور جو ان کے شرک، کفر اور ظلم کی وجہ سے ان پر کی گئی ہے۔

داوٗد علیہ السلام کی زبور میں اللہ تعالیٰ واضح طور پر آسمانی لعنت کے نتائج کا ذکر کرتا ہے :

"کیونکہ جن کو وہ برکت دیتا ہے وہ زمین کے وارث ہوں گے۔ اور جن پر وہ لعنت کرتا ہے وہ کاٹ ڈالے جائیں گے۔" (زبور ۳۷ : ۲۲)

ایک کمپیوٹر ڈسک (CD) میں پورے قرآن کا ترجمہ بمع مختصر تشریح !

امیر تنظیم اسلامی **ڈاکٹر اسرار احمد** مدظلہ

کی آواز میں قرآن مجید کی مختصر و جامع تشریح پر مبنی

دورۂ ترجمہ قرآن---Compact Disk

تیار کرلی گئی ہے، ہدیہ۔/175 روپے

نوٹ : یہ کمپیوٹر ڈسک امسال ماہ رمضان میں کراچی میں ہونے والے دورۂ ترجمہ قرآن پر مشتمل ہے۔

رابطہ : **شعبہ سمع و بصر قرآن اکیڈمی**

K-36 ماڈل ٹاؤن لاہور۔ فون : 3-5869501 فیکس : 5834000

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لئے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

امام محمدؒ بن نصر مروزیؒ

—— عبدالرشید عراقی ——

امام محمدؒ بن نصر مروزی رحمۃ اللہ علیہ کے علم و فضل، عدالت و ثقاہت، حفظ و ضبط، تقویٰ و طہارت، زہد و ورع، ذکاوت و فطانت اور علوم اسلامیہ میں ان کے تبحر علمی کا اعتراف ائمہ فن اور ارباب سیر نے کیا ہے۔ حدیث اور متعلقات حدیث میں ان کا علمی پایہ بہت بلند تھا۔

حافظ ذہبیؒ نے حدیث میں ان کے صاحب فضل و کمال ہونے کی بناء پر "برع فی ھذا الشان اور رأی ما فی الحدیث" لکھا ہے۔ امام ابو عبداللہ حاکمؒ نے ان کو "حدیث کا بحرِ زخّار" بتایا ہے۔ ائمہ فن کا متفقہ فیصلہ ہے کہ امام محمدؒ بن نصر مروزی کا شمار اکابر جرح و تعدیل میں ہوتا ہے اور ان کو الحافظ، الفقہ، امام الحدیث، سنن کے جامع و محافظ، صاحبُ العلم، اور حدیث کے مطالب کے حافظ اور مدافع کہا ہے۔

علمِ حدیث سے گہرا شغف ہونے کے علاوہ امام مروزی فقہ و اخلاقیات پر بھی گہری نظر رکھتے تھے۔ تذکرہ نگاروں نے ان کو الفقیہ، احد الائمۃ الفقہاء اور راسانی الفقہ لکھا ہے۔ خطیب بغدادی نے لکھا ہے کہ امام مروزی کو صحابہ کرامؓ اور مابعد کے علماء کے اختلافات سے بڑی واقفیت تھی اور اجماع و خلافیات کے بہت بڑے عالم تھے۔

امام مروزی کے صاحب علم و فضل ہونے کی وجہ سے اعیانِ حکومت بھی ان کا بہت احترام کرتے تھے۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ جب کبھی امام مروزی امیر اسمٰعیل بن احمد کے پاس تشریف لے جاتے تو وہ احتراماً کھڑے ہو کر استقبال کرتا۔

علمائے طبقات و تراجم نے امام مروزی کو ائمۃ المسلمین میں شمار کیا ہے اور ان کو احد الاعلام، احد علام الامیہ، احد ائمۃ الاسلام اور الامام الجلیل کے القاب سے یاد کیا ہے۔ جمہور ائمۂ فن و ارباب سیر ان کی امامت پر متفق ہیں، اور لکھا ہے کہ امام ابو حاتم رازی اور امام ابو عبداللہ مروزی ائمۃ المسلمین تھے۔

ولادت

امام ابو عبداللہ محمد بن نصر مروزی بغداد میں پیدا ہوئے۔ خطیب بغدادی اور حافظ ابنِ حجر نے ان کا یہ بیان اپنی اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے کہ

"میں بغداد میں پیدا ہوا۔ میرے والد مروزی تھے۔ میری نشو و نما نیشاپور میں ہوئی اور اب میں سمرقند میں رہتا ہوں۔"

اساتذہ و تلامذہ

حافظ ابن سبکی اور حافظ ابن حجر نے اپنی اپنی کتابوں میں امام مروزی کے اساتذہ و تلامذہ کا ذکر کیا ہے۔ ان کے مشہور اساتذہ میں امام ابو قدامہ سرخسی، امام بخاری، اسحاق بن راہویہ، ربیع بن سلیمان، محمد بن بشار، یحییٰ بن یحییٰ نیشاپوری رحمہم اللہ وغیرہ کے نام ملتے ہیں۔ اور تلامذہ میں علامہ ابو العباس سراج، ابو علی عبداللہ بن محمد بن علی بلخی مشہور و معروف ہیں۔

طلب حدیث کے لئے سفر

امام ابو عبداللہ مروزی نے طلب حدیث کے لئے مختلف ممالک اسلامی کا سفر کیا۔ خطیب بغدادی لکھتے ہیں :

"رحل الی سائر الاحصار فی طلب العلم"

(طلب علم کے لئے آپ نے بڑے بڑے شہروں کا سفر کیا۔)

علامہ ابن جوزی لکھتے ہیں :

"امام ابو عبداللہ مروزی نے طلب علم کے لئے مختلف شہروں کا سفر کیا اور خراسان، عراق، حجاز، شام و مصر گئے۔ اور ہر جگہ کے اساطین فن علمائے کرام سے استفادہ کیا۔"

امام مروزی فقہی اعتبار سے امام شافعی کے مسلک سے وابستہ تھے۔

زہد و عبادت

زہد و عبادت، تقویٰ و طہارت اور تدین و ورع میں امام مروزی کا رتبہ بہت بلند تھا۔ علمی اشغال سے جو وقت بچتا وہ عبادت و ریاضت میں بسر کرتے اور نماز بڑی خشوع و

خضوع سے ادا کرتے۔ ابنِ جوزی نے لکھا ہے کہ امام مروزی صاحبِ کرامات بھی تھے۔

ذریعہ معاش اور جود و سخا

امام ابو عبداللہ مروزی کو ۱۲ ہزار سالانہ وظیفہ ملتا تھا۔ ۴ ہزار وظیفہ امیر اسمٰعیل بن احمد والئی خراسان کی جانب سے، اسی قدر وظیفہ امیر اسمٰعیل کے بھائی اسحاق بن احمد والئی سمرقند کی طرف سے اور ۴ ہزار اہل سمرقند سے ملتا تھا، لیکن وہ اپنے لئے ایک معمولی رقم اپنے پاس رکھتے تھے اور بقیہ رقم غرباء و محتاج لوگوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں :

وقد کان من اکرم الناس و اسخاھم نفسًا

(آپ لوگوں میں کریم ترین اور سخی ترین تھے۔)

اولاد

حافظ ابن جوزی لکھتے ہیں کہ امام ابو عبداللہ مروزی عرصہ تک لاولد رہے۔ آخر عمر میں اولاد کی آرزو بہت بڑھ گئی تو اللہ تعالیٰ سے بڑی گریہ و زاری سے دعا کرتے تھے، جو قبول ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے ایک صالح فرزند عطا کیا۔ جب بچے کی ولادت کی اطلاع ملی تو بے ساختہ ان کی زبان پر دعائے ابراہیمی جاری ہو گئی : "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَی الْکِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ"۔ چنانچہ بچے کا نام "اسمٰعیل" رکھا۔

وفات

محرم ۲۹۴ھ میں سمرقند میں انتقال کیا۔

تصانیف

امام ابو عبداللہ مروزی نے متعدد کتابیں تالیف کیں۔ خطیب بغدادی ان کی کتابوں کے بارے میں لکھتے ہیں :

"صاحب تصانیف الکثیرۃ والکتب الجمعۃ"

(وہ متعدد کتابوں کے مصنف تھے اور ان کی کتابیں بڑی مفید اور بیش قیمت تھیں۔)

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں :

""و صنف الکتب المفیدۃ الحافلۃ النافعۃ"

(یعنی بہت مفید اور عمدہ کتابیں تصنیف کیں۔)

امام مروزی کی جن کتابوں کے نام ارباب سیر نے محفوظ کئے ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

۱۔ مسند : یہ امام مروزی کی مشہور اور اہم کتاب ہے۔ اس کا قلمی نسخہ جو ۹۵۶ھ کا تحریر کردہ ہے' کتب خانہ قدیم مصر میں موجود ہے۔ اس کے شروع میں ایک باب نماز کا بھی ہے' اس کا عنوان ہے :

باب فی تعظیم قدر الصلوۃ و تفضیلھا علی سائر الاعمال

بعض علمائے کرام نے اس کو امام مروزی کی مستقل تصنیف قرار دیا ہے' جیسا کہ علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں :

"و صنف کتابا عظیمًا فی الصلوٰۃ"

(نماز پر ایک مہتم بالشان کتاب لکھی۔)

۲۔ کتاب القسامۃ : یہ کتاب بھی امام مروزی کی بہت اہم کتاب ہے۔ اس کے بارے میں خطیب نے تاریخ بغداد میں شیخ ابو بکر صیرفی کا یہ قول نقل کیا ہے :

"اگر امام مروزی نے صرف یہی کتاب لکھی ہوتی تو بھی ان کے بڑے فقیہہ ہونے کے لئے کافی تھی۔"

حافظ ابن سبکی نے امام مروزی کی ایک اور کتاب کا ذکر کیا ہے جس میں امام ابو حنیفہؒ نے حضرت علیؓ بن ابی طالب اور حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے مسلک سے جن باتوں میں اختلاف کیا ہے' اس کا ذکر ہے۔

قیام اللیل اور رفع الیدین کے نام سے بھی دو رسالے لکھے تھے جو مطبوع ہیں۔

مراجع و مصادر

۱) خطیب بغدادی' تاریخ بغداد
۲) ذہبی' تذکرۃ الحفاظ
۳) ابن جوزی' المنتظم
۴) ابن سبکی' طبقات الشافعیہ
۵) ابن حجر' تہذیب التہذیب
۶) ابن عماد' شذرات الذہب
۷) ابن جوزی' صفوۃ الصفوۃ
۸) ابن کثیر' البدایہ والنہایہ

امام غزالیؒ اور تزکیۂ نفس

ڈاکٹر محمد امین
سینئر مدیر اردو انسائیکلوپیڈیا آف اسلام
پنجاب یونیورسٹی، لاہور

مختصر حالات زندگی

ابو حامد محمد الغزالی (اس لفظ کو بعض لوگ غَزّالی پڑھتے ہیں، کیونکہ آپ کے والد سوت کاتنے اور بیچنے کا کام کرتے تھے[1] اور بعض غزالی، اس خیال سے کہ آپ غزالہ نامی گاؤں کے رہنے والے تھے[2]) ۴۵۰ھ میں خراسان (موجودہ ایران) کے علاقہ طوس میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد، جو صوفی منش تھے اور بڑے عالم نہ تھے، جب راہیٔ ملکِ عدم ہوئے تو بچوں کی تعلیم ایک صوفی دوست کے سپرد کر گئے۔ وہ بھی مادی اسباب نہ رکھنے کی وجہ سے ان کی تعلیم جاری نہ رکھ سکے اور انہوں نے غزالی اور ان کے بھائی کو سرکاری مدرسے میں ڈال دیا۔ ابتدائی تعلیم کے بعد وہ نیشاپور چلے گئے اور امام الحرمین سے تلمذ اختیار کیا اور ان کی وفات (۴۷۸ھ) تک ان کے ساتھ رہے۔ اگرچہ اس دوران انہوں نے تصنیف و تالیف کا آغاز بھی کر دیا تھا اور ان کے فضل و کمال کی شہرت بھی ہو چلی تھی۔

یہاں سے غزالی نظام الملک کے دربار میں چلے گئے جو اُس وقت اہل علم و فضل کا مرجع تھا اور علمی مناظروں میں اپنے علم کی دھاک بٹھائی۔ ۴۸۴ء میں اس نے جامعہ نظامیہ کا صدر مدرس مقرر کر کے آپ کو بغداد روانہ کر دیا جہاں ان کے حلقۂ درس میں بیک وقت چار چار سو طالب علم شریک ہوتے تھے۔[3] یہاں وہ جاہ و حشمت اور امراء کے سے ٹھاٹھ باٹھ سے رہتے تھے۔

وہ جامعہ نظامیہ ہی میں تھے جب ان کے اندر اپنے طرزِ زندگی کے بارے میں عدمِ اطمینان اور تشکیک کے سائے لہرانے لگے اور وہ ساری سرگرمیوں سے دستبردار ہو کر عزلت و گوشہ نشینی اور مراقبہ و غور و فکر میں محو ہو گئے۔ اس انقلابِ طبیعت کے نتیجے میں وہ تصوف کی طرف مکمل طور پر مائل ہو گئے اور صوفیانہ نقطۂ نظر ان کے اسلوبِ حیات پر

غالب آگیا۔ اگلے دس سال تک اس حالت کا ان پر اتنا غلبہ رہا کہ وہ معمول کی زندگی بھی بسر نہ کر سکے اور اس کے بعد جب عائلی زندگی اور درس و تدریس کی طرف لوٹے بھی تو ان کا طرزِ فکر اور طرزِ زندگی یکسر بدل چکا تھا اور وہ عملی صوفی بن چکے تھے۔ امام غزالی نے اپنی کتاب "المُنقذ من الضلال" میں اپنی علمی، فکری و عملی زندگی میں اس انقلاب کا حال تفصیل سے لکھ دیا ہے جو دلچسپ اور معلومات افزا ہے۔

غزالی کی زندگی میں آنے والے اس تغیر پر اگر مختصر تبصرہ کیا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ اس کے دو بنیادی اسباب تھے۔ ایک تو یہ کہ اللہ نے غزالی کو ذہن رسا عطا فرمایا تھا۔ وہ تقلید اعمیٰ اور فکری جمود کے قائل نہ تھے اور نہ چیزوں کو جیسی کہ وہ تھیں، آنکھیں بند کر کے قبول کرنے پر تیار تھے۔ وہ ہر چیز کو شک کی نگاہ سے دیکھتے اور استدلال کے ترازو میں تولتے تھے۔ دوسرے یہ کہ ان کی زندگی پر شروع ہی سے تصوف کے اثرات خفتہ طور پر موجود تھے۔ جیسا کہ ذکر ہوا کہ ان کے والد خود درویش منش اور صوفی تھے۔ وہ جب فوت ہونے لگے تو انہوں نے غزالی کی تعلیم و تربیت اپنے ایک صوفی دوست کے سپرد کر دی۔ اس طرح اپنی ابتدائی زندگی ہی میں ان پر تصوف کے اثرات پڑے۔ علاوہ ازیں انہوں نے تحصیلِ علم کے بعد ابو علی فارندی کی صحبت میں ذکر و فکر کی مشغولیت اختیار کی [۴] لیکن اس میں جذب نہ ہو سکے اور دوبارہ علومِ شرعیہ میں تعمق پیدا کرنے میں منہمک ہو گئے۔ بعد میں علومِ شرعیہ کی تدریس و تحقیق میں بظاہر وہ اثرات دب گئے لیکن اخلاص و اخلاقی گہرائی سے عاری جس قسم کی ظاہری ٹھاٹھ باٹھ کی زندگی وہ گزار رہے تھے، جب اس پر عدم اطمینان کی کیفیت پیدا ہوئی تو تصوف کی ابتدائی تربیت کے اثرات ابھرنے لگے اور بالآخران پر غالب آگئے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ان کے بھائی احمد الغزالی بھی بہت بڑے صوفی اور واعظ تھے اور دونوں بھائیوں کی تربیت بچپن سے اکٹھے ہی ہوئی تھی۔

جامعہ نظامیہ سے نکل کر امام صاحب نے ابتدائی زمانہ دمشق اور بیت المقدس میں عبادت و ریاضت میں گزارا۔ پھر حج کیا، قاہرہ اور اسکندریہ گئے، آبادیوں میں گھومے اور صحراؤں کی خاک چھانتے رہے یہاں تک کہ ۴۹۸ھ میں وطن واپس پہنچے اور وہاں بھی خلوت گزینی اختیار کی۔ نظام الملک کے بیٹے فخر الملک کے اصرار پر، جو سلجوقی کا وزیر اعظم

تھا' دوبارہ نیشاپور کی صدر مدرسی قبول کرلی' لیکن ایک بدبخت باطنی کے ہاتھوں اس کی شہادت پر جلد ہی طوس واپس آگئے اور اپنے گھر کے پاس ہی ایک مدرسہ اور خانقاہ کی بنیاد ڈالی جس میں وہ ہمہ وقت علومِ ظاہری و باطنی کی تلقین کرتے تھے۔ احمد بن نظام الملک اور خلیفہ بغداد مستظہر باللہ نے بہت کوشش کی کہ وہ پھر جامعہ نظامیہ کی خدمت سنبھال لیں' لیکن وہ معذرت کرتے رہے اور خانہ نشینی ترک نہیں کی۔

آخری عمر میں انہیں احساس ہوا کہ انہیں تحصیل حدیث میں تعمق کا موقع نہیں مل سکا تو محدثین کی صحبت اختیار کی اور حافظ عمر بن ابی الحسن الرواسی الطوسی کو اعزاز و اکرام کے ساتھ بلا کر ان سے بخاری اور مسلم سنی۔ انہی سرگرمیوں میں' جب ان کی عمر محض پچپن برس تھی' ۱۴ جمادی الثانی ۵۰۵ھ کو انہوں نے داعی اجل کو لبیک کہا۔

تصنیف و تالیف

اگرچہ غزالی نے مضطرب زندگی گزاری اور کئی برس عزلت اور صوفیانہ سیاحی میں بھی صرف ہوئے' اس کے باوجود ان کی تصانیف کی تعداد اور رفتارِ تصنیف حیرت انگیز ہے۔ علامہ نووی کے بقول یہ رفتار چار کراسے یعنی ۱۶ صفحات روزانہ بنتی ہے۔ شبلی نے ان کی تصانیف کی تعداد ۷۸ گنی ہے۔ (۵) (اس میں وہ کتابیں بھی شامل ہیں جن کی ان کی طرف نسبت مشکوک ہے۔) عبدالکریم عثمان نے ایک منقح فہرست میں ۶۴ کتابوں کا ذکر کیا ہے۔ (۶) یہ کتابیں فقہ' اصول' منطق' فلسفہ' کلام اور تصوف و اخلاق کے موضوع پر ہیں۔ ان کی زمانی ترتیب کا خلاصہ یہ ہے: امام الحرمین کی زندگی میں انہوں نے دو کتابیں لکھیں: المنخول فی اصول الفقہ اور التعلیقہ فی فروع المذہب۔ نظامیہ چھوڑنے سے پہلے انہوں نے جو کتابیں لکھیں ان میں اہم مقاصد الفلاسفہ' تہافت الفلاسفہ' الاقتصاد فی الاعتقاد' محک النظر فی المنطق' البسیط' الوسیط' الوجیز' شفاء العلیل اور میزان العمل ہیں۔ عزلت کے زمانے میں جو کتابیں انہوں نے لکھیں ان میں احیاء علوم الدین' کیمیائے سعادت' ایّھا الولد' المضنون بہ علی غیر اھلہ' المقصد الاسنی اور الرسالہ اللدنیہ شامل ہیں۔ جب دوبارہ نظامیہ میں پڑھانا شروع کیا تو اس زمانے میں آپ نے المنقذ من الضلال' المستصفی اور سر العالمین لکھیں۔ ان کی آخری زندگی کی تصانیف میں سے منہاج العابدین اور الجام العوام اہم ہیں۔

غزالی کی تصانیف صرف مقدار ہی میں زیادہ نہیں بلکہ اپنے مضامین کے لحاظ سے بھی بے نظیر اور انتہائی وقیع ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان اہل علم نے ان کی شروح لکھیں، ان کا اختصار کیا اور ان پر حواشی لکھے۔ اہل یورپ بھی ان کی قدر شناسی میں پیچھے نہیں رہے اور ان کی کئی کتابوں کے وہاں ترجمے ہوئے، نئے سرے سے انہیں ایڈٹ کیا گیا اور ان پر تحقیقی مقدمے اور حواشی لکھے گئے۔

امام غزالی اور علم النفس

یہاں ہم پہلے تصوف و اخلاق پر غزالی کی ان کتابوں کا مختصراً تذکرہ کریں گے جن میں علم النفس سے متعلق مباحث پائے جاتے ہیں اور اس کے بعد اس ضمن میں غزالی کے افکار کا ایک ملخص پیش کریں گے۔

احیاء علوم الدین

یہ اخلاق پر غزالی کی اہم ترین کتابوں میں سے ہے۔ اس کے چار حصے ہیں۔ پہلا عبادات کا، جس میں کتاب العلم اور قواعد العقائد کے بعد نماز، روزے، زکوٰۃ اور حج کے احکام و اسرار ہیں۔ دوسرا معاملات کا، جس میں مناکحت، حلال و حرام، معاشرت، سفر، سماع، وجد اور امر بالمعروف وغیرہ کا ذکر ہے۔ تیسرے حصے کو مہلکات کہا ہے، جس میں رذائل اخلاق کا ذکر ہے، جیسے آفاتِ لسان، آفاتِ غضب، ذمِّ دنیا اور ذمِّ جاہ و ریا وغیرہ۔ چوتھا حصہ منجیات کا ہے، جس میں فضائلِ اخلاق مذکور ہیں، یعنی توبہ، صبر، شکر، فقر، زہد، توکل وغیرہ۔

المنقذ من الضلال

یہ غزالی کی خود نوشت سوانح ہے جس میں انہوں نے اپنے ذہنی و فکری ارتقاء کو تفصیل سے بیان کیا ہے کہ کس طرح وہ اپنی علمی و تدریسی زندگی سے غیر مطمئن ہوئے اور بالآخر تزکیۂ نفس و اطمینانِ قلب کے لئے تصوف کی راہ اختیار کی اور ایمان و ایقان کی نعمت سے سرفراز ہوئے۔

معارج القدس فی مدارج معرفۃ النفس

اس کتاب میں نفس کی حقیقت و ماہیت، انواع اور فعلیت پر دقیق اور تفصیلی

مباحث ہیں اور اس میں غزالی کی آراء ابن سینا اور یونانی فلاسفہ سے ملتی جلتی ہیں۔ بعض اہل علم نے اس کتاب کی غزالی کی طرف نسبت میں شک کیا ہے۔

الاربعین فی اصولِ الدین

یہ جواہر القرآن کا ایک حصہ ہے۔ احیاء علوم الدین کی طرح اس کے بھی چار حصے ہیں۔ پہلا علوم میں' دوسرا ظاہری اعمال میں' تیسرا اخلاق مذمومہ میں اور چوتھا اخلاق محمودہ میں۔ غزالی نے ہر حصے کے دس اہم مباحث کا ذکر کر کے ان کی تفصیل لکھی ہے۔

المضنون بہ علی غیر اھلہ

اس کتاب کی غزالی کی طرف نسبت میں بعض اہل علم نے شک کا اظہار کیا ہے۔ اس کے بھی چار حصے ہیں۔ پہلے حصے میں معرفت باری تعالیٰ' دوسرے میں معرفت ملائکہ' تیسرے میں حقائق معجزات اور چوتھے میں معرفت مابعد الموت سے متعلق مباحث ہیں۔

المضنون الصغیر

اس میں غزالی نے آخرت سے متعلق مسائل کا جواب دیا ہے اور نفس و روح کی حقیقت پر بحث کی ہے۔

مشکوٰۃ الانوار

یہ تصوف سے متعلق ہے اور اس میں یونانی فلسفہ کا تاثر جھلکتا ہے۔

ماہیتِ علم النفس

علم النفس کے مختلف مباحث (خصوصاً متعلق بہ شخصیت و تزکیۂ نفس) سے متعلق غزالی کی آراء جاننے کے ساتھ یہ بھی مفید رہے گا کہ پہلے خود علم النفس کے بارے میں ان کی رائے سامنے آجائے۔

غزالی کے نزدیک علوم کی دو بڑی قسمیں ہیں۔ ایک علوم المکاشفہ اور دوسرے علوم المعاملہ۔ (۷) ان کے نزدیک علوم المکاشفہ وہ ہیں جن کا محض علم اور معرفت و ادراک کافی ہے جب کہ علوم المعاملہ وہ علوم ہیں جن کو جان لینے کے بعد ان پر عمل بھی ضروری ہے۔ علوم المکاشفہ ان کے نزدیک صرف وحی و الہام سے معلوم ہو سکتے ہیں کیونکہ ان کا

تعلق ادراکِ ماہیت امور و مجردات سے ہے۔ وہ "العلم بماهية القلب" کو بھی علوم المکاشفہ میں شمار کرتے ہیں' جو مسلم علم النفس ہی کا ایک اہم جزو ہے۔

علومِ معاملہ کو بھی غزالی نے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ ایک علومِ ظاہر' جن میں اعمال الجوارح زیرِ بحث آتے ہیں جیسے عبادات و عادات اور دوسرے علومِ باطن یعنی احوال و وارداتِ قلوب' اچھے ہوں یا بُرے' جنہیں غزالی مہلکات و منجیات قرار دیتے ہیں۔ اس طرح غزالی کے نزدیک علم النفس علومِ نظری سے متعلق بھی ہے اور علومِ عملی سے متعلق بھی۔ اور اس طریقے سے غزالی نے علم النفس میں صوفیاء کے طریق یعنی تامل باطنی اور کشف اور سائنس دانوں کے طریق یعنی مشاہدہ و استقراء دونوں کو جمع کر دیا ہے۔ المنقذ من الضلال میں انہوں نے لکھا ہے کہ "میں برسوں ہر طرح کے لوگوں کی شخصیت کا مطالعہ کرتا رہا' خصوصاً غیر متوازن سلوک کے حامل افراد کی شخصیتوں کا' اور ان کے خیالات و عقائد اور شہادت کے بارے میں سوال و جواب کرتا رہا اور ان مظاہر کے پیچھے پوشیدہ محرکات و اسباب کو سمجھنے کی کوشش کرتا رہا۔"(۸) اس طرح غزالی نے تحلیلِ نفسی کا طریقہ بھی استعمال کیا ہے خواہ وہ کسی فرد کے نفس کا تجزیہ ہو بذریعہ عادات یا بطریق سوال و جواب یا عام انسانی عادتوں کے حوالے سے وظائفِ نفسیہ کی عمومی تحلیل کے ذریعے۔(۹)

غزالی علم النفس کو تعلیم و تربیت کے لئے بہت اہم قرار دیتے ہیں اور ظواہرِ نفسیہ سے بحث کرتے ہوئے وہ افعال کا رشتہ دین و اخلاق سے جوڑتے ہیں' کیونکہ ان کے نزدیک علم النفس کا مقصود تکمیل شخصیت اور حصولِ سعادت ہے۔ اس وجہ سے وہ مطالعۂ نفس کو سلوک (study of behaviour) بھی کہتے ہیں۔

ماہیتِ نفس

غزالی چونکہ بیک وقت فلسفی اور صوفی ہیں' لہٰذا خواہ نفس کی ماہیت کا مسئلہ ہو خواہ اس کی فعلیت کا' وہ بیک وقت دونوں نقطہ ہائے نظر کو سامنے رکھتے ہیں۔ فلسفہ و حکمت کے حوالے سے ان کی آراء عموماً ابن سینا اور ارسطو سے ماخوذ و مستفاد ہوتی ہیں۔ جن میں اپنی طباعی سے بعض اوقات وہ نئے نکات بھی سامنے لاتے ہیں اور اسلامی حوالوں سے بحث کو جاندار بنا دیتے ہیں۔ اب آیئے اس مبحث میں حقیقتِ نفس' وجودِ نفس' وحدت و

کثرتِ نفس، نفس کے حادث یا قدیم ہونے اور فناء وبقائے نفس کے حوالے سے غزالی کی آراء جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔

حقیقتِ نفس

حقیقتِ نفس کے بارے میں غزالی کی رائے جاننے کے لئے یہ موزوں محسوس ہوتا ہے کہ اصطلاحاتِ اربعہ یعنی نفس، قلب، روح اور عقل کے بارے میں ان کے اقوال سامنے رکھے جائیں۔

نفس : نفس کی فلسفیانہ تعریف غزالی یوں کرتے ہیں کہ "الجوھر القائم فی الانسان من حیث ھو حقیقتہ" یعنی یہ انسان میں موجود وہ جوہر ہے جو اس کی اصل حقیقت ہے۔ غزالی کے نزدیک یہ جوہر وہی ہے جسے فلاسفہ نفس ناطقہ کہتے ہیں۔ قرآن میں اسے نفسِ مُطمئنّہ اور روح سے تعبیر کیا گیا ہے اور صوفیاء اسے قلب کہتے ہیں۔ یہ سب ایک ہی حقیقت کے مختلف نام ہیں جو نفس انسانی کی مختلف کیفیات کے مظہر ہیں، ورنہ ان کا مدلول درحقیقت ایک ہی ہے۔ اور وہ ہے انسان اور اس کی شخصیت، جس کا اظہار وہ "مَیں" سے کرتا ہے۔ (۱۰)

تاہم غزالی بعض اوقات نفس کا لفظ اس مفہوم میں بھی استعمال کرتے ہیں جو تصوف میں اس کے لئے مخصوص ہے، یعنی محلِ صفاتِ مذمومہ و رذائلِ اخلاق (۱۱) جس کے خلاف مجاہدہ کرنا اور اس پر غالب آنا صوفیاء کے نزدیک عین مطلوب ہے۔ تاہم نفس کا یہ مفہوم چونکہ پہلے مفہوم سے بہت بعید ہے لہٰذا ان میں التباس کا کوئی امکان نہیں اور سیاق وسباق سے دونوں کے مدلول کا واضح طور پر پتہ چل جاتا ہے۔

قلب : قلب کا لفظ غزالی کے ہاں تین مفہوم رکھتا ہے۔ ایک تو قلب کا لفظ گوشت کے اس لوتھڑے کے لئے بولا جاتا ہے جو سینے میں بائیں جانب واقع ہے جو منبع حیات واحساس ہے، اس لئے اسے روحِ حیوانی (حیوان یعنی جاندار یعنی وہ لطیفہ جو مصدرِ جان اور زندگی ہے) بھی کہتے ہیں۔ یہ قلب (یعنی روح حیوانی) کوئی انسانوں کی انفرادی خصوصیت نہیں، بلکہ یہ ہر جاندار میں پایا جاتا ہے (۱۲) اور جب تک یہ دھڑکتا رہتا ہے حواس قائم اور زندگی رواں دواں رہتی ہے اور اس کے کام چھوڑ دینے سے جسمانی زندگی ختم ہو جاتی ہے۔

قلب کے دوسرے معنی اس روح کے ہیں، جو امرِ ربی ہے، جو اس جسمِ خاکی میں اللہ

کی امانت ہے، جس نے عہدِ الست میں "اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ؟" کے جواب میں "بلٰی" کہہ کر اقرارِ توحید کیا تھا اور جس میں فطرت کا علم بالقوہ موجود ہے۔ غزالی اس لفظ کو نفس کے مترادف قرار دیتے ہیں اور اپنی اکثر کتابوں میں اسے اس مفہوم میں استعمال کرتے ہیں۔

غزالی اپنی آخری تحریروں میں لفظ قلب کو اس مفہوم کے لئے بھی استعمال کرتے ہیں جو صوفیاء کے ہاں متداول ہے یعنی نفس (محل صفات مذمومہ) کے برعکس محل صفات محمودہ اور محل حقائق ماوراء الطبیعیات جن تک انسان کی رسائی اسی وقت ہوتی ہے جب قلبِ انسانی جسم اور حواس کے تقاضوں پر غالب آکر نورِ معرفتِ حق سے منور ہو جاتا ہے۔

روح : غزالی اگرچہ روح کو اپنی تحریروں میں نفس اور قلب کے مترادف کے طور پر استعمال کرتے ہیں تاہم وہ روحِ حیوانی اور روحِ ربانی میں فرق بھی کرتے ہیں۔

روحِ حیوانی کا منبع ان کے نزدیک قلبِ جسمانی ہے جو شریانوں کے ذریعے اسے جسم کے مختلف حصوں تک پہنچاتا ہے، جو سببِ حیات ہے اور حواسِ ظاہری اسی کی وجہ سے کام کرتے ہیں۔ اس کی مثال وہ شمع سے دیتے ہیں جس کی روشنی سارے گھر کو منور کرتی ہے۔ ان کے نزدیک قلب کی جسمانی فعلیت ہی حرارتِ غریزی کا سبب بنتی ہے (۱۳) اور وہی اعصاب و عضلات میں حرکت کا جادو جگاتی ہے۔ (۱۴)

اس کے مقابلے میں روح کا دوسرا تصور غزالی کے ہاں نفسِ ناطقہ (۱۵) کا ہے، جسے بعض حالات میں وہ قلب بھی کہتے ہیں۔ یہ روح ان کے نزدیک وہ لطیفہ ہے جو نہ جسم ہے نہ عرض، بلکہ امر ربی ہے اور جو ہر قائم بالذات ہے۔ اسے عوارضِ جسمانی لاحق نہیں ہوتے اور نہ یہ فنا ہوتا ہے، بلکہ جسم سے الگ ہو جاتا ہے اور اس میں واپسی کا منتظر رہتا ہے۔ روحِ حیوانی اور جسم کی دوسری قوتیں گویا اس لطیفۂ روح (جسے ہم نے سہولتِ بیان کی خاطر اور روحِ حیوانی سے ممیز کرنے کے لئے روحِ ربانی کہا ہے) کے تابع ہیں کہ وہ جیسے چاہتا ہے انہیں استعمال کرتا ہے۔ یہ مادی جسم سے الگ چیز ہے اور امرِ ربی ہونے کی وجہ سے قدرتِ باری تعالیٰ کا ایک جزو ہے۔ (۱۶)

عقل : عقل کا لفظ بھی غزالی کے ہاں تین معنوں میں مستعمل ہے۔ ایک یہ کہ اس سے مقصود ہے علم الحقائق جس کا محل قلب ہے، لیکن اسے عموماً عقل ہی کہا جاتا ہے۔ اسے یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ علم الحقائق نتیجہ اور ثمر ہے عقل کا۔

دوسرے یہ کہ اس سے مقصود ہے وہ لطیفہ (یعنی قلب) جو ادراکِ علم کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اس معنی میں فلاسفہ کہتے ہیں کہ عقل مخلوقِ اول ہے (اور ظاہر ہے کہ علم کوئی حسی چیز نہیں کہ اسے مخلوق اول گردانا جائے۔ عقل کا لفظ اس وسیع مفہوم میں نفسِ ناطقہ کے مترادف کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ اِلّا یہ کہ نظریۂ صدور پر بحث کے وقت نو افلاطونی فلسفے میں دیگر مصطلحات استعمال ہوتی ہیں یا علم کو وظیفۂ عقلی سمجھتے ہوئے اسے اوّل الذکر مفہوم میں لیا جاسکتا ہے۔ (۱۷)

لفظ عقل کا تیسرا استعمال غزالی کے ہاں وہ ہے جو تصوف میں مروج ہے یعنی وہ لطیفہ جو نفس کی مخالفت کرتا ہے اور اسے برائیوں پر ٹوکتا ہے۔

مذکورہ بالا اصطلاحات کی وضاحت سے نفس کے بارے میں غزالی کے تصور پر کافی روشنی پڑتی ہے، گو ان اصطلاحات کا ترادف اور تداخل بعض اوقات نو واردوں کے لئے الجھن اور ابہام کا باعث بنتا ہے۔

(جاری ہے)

وقت کے نہایت اہم، انتہائی نازک اور حساس موضوع پر
امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کی وقیع تالیف

شیعہ سُنّی مفاہمت
کی ضرورت و اہمیت

ملنے کا پتہ :
مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
36۔ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور فون : 3-5869501

پیش رفت

سالانہ رپورٹ شعبہ خط و کتابت کورسز

(1998ء۔1999ء)

مرتب : انوارالحق چوہدری' ناظم شعبہ

1.1۔ دعوت رجوع الی القرآن

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب' صدرِ مؤسس انجمن خدام القرآن اور امیر تنظیم اسلامی کی دعوت "رجوع الی القرآن" کی متعدد جہتیں (Facets) ہیں' مثلاً عوام کے لئے ڈاکٹر صاحب کے دروسِ قرآن اور خطباتِ جمعہ' قرآن کالج میں نوجوان طلبہ کے لئے یونیورسٹی کورسز' یعنی ایف۔اے' بی۔اے کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم' یعنی عربی گرامر' قرآن اور حدیث کی تعلیم' عمر رسیدہ اور serving احباب کے لئے عربی گرامر اور قرآن کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے ایک سالہ کورس' تجوید سیکھنے کے لئے سپیشل کلاسز' بچوں کے حفظ قرآن کے لئے جامع القرآن' قرآن اکیڈمی میں شعبۂ حفظ قرآن وغیرہ۔

1.2۔ تحریک رجوع الی القرآن کا ایک اہم سنگ میل۔ دورۂ ترجمۃ القرآن

1984ء سے ہر سال ماہِ رمضان میں جامع القرآن' قرآن اکیڈمی لاہور میں دورۂ ترجمۂ قرآن کا اہتمام کیا جاتا ہے جس سے ہزاروں خواتین و حضرات مستفید ہوتے ہیں۔ قرآن اکیڈمی کے علاوہ لاہور میں دوسرے بہت سے مقامات پر اور لاہور کے علاوہ پاکستان کے دوسرے تمام شہروں میں بھی دورۂ ترجمہ قرآن کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ 99۔1998ء میں ماہِ رمضان میں پاکستان میں 69 مقامات پر دورۂ ترجمہ قرآن کا اہتمام کیا گیا۔

1.3۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب' صدر مؤسس انجمن خدام القرآن اور امیر تنظیم اسلامی کے لاکھوں کی تعداد میں آڈیو اور ویڈیو کیسٹس تمام دنیا میں پھیل چکے ہیں۔ جن کے ذریعے سے قرآن مجید کی تعلیمات کو نوعِ انسانی کے لئے عام کیا گیا ہے۔

2.1۔ شعبہ خط و کتابت کورسز

ان سب کے علاوہ ایسے طلبہ و طالبات' خواتین و حضرات جو ملک سے یا لاہور سے

باہر ہیں' یا جن کے لئے کسی وجہ سے قرآن کالج / قرآن اکیڈمی لاہور میں حاضری ممکن نہیں' ان کے لئے خط و کتابت کورسز ترتیب دیئے گئے ہیں' تاکہ وہ بھی گھر بیٹھے سہولت کے ساتھ اپنے فارغ وقت میں عربی گرامر اور قرآن کی تعلیم حاصل کر سکیں۔ یہ کورسز درج ذیل ہیں :

(i) قرآن حکیم کی فکری و عملی راہنمائی

(ii) ابتدائی عربی گرامر (حصہ اول)

(iii) ابتدائی عربی گرامر (حصہ دوم)

(vi) ابتدائی عربی گرامر (حصہ سوم)

(v) ترجمۂ قرآن کریم کورس

پہلے کورس کا آغاز جنوری 1988ء میں ہوا۔ اس کورس کا مقصد خواتین و حضرات اور طلبہ و طالبات کو قرآن حکیم کے مربوط مطالعے کے ذریعے دین کے جامع اور ہمہ گیر تصور سے متعارف کرانا ہے۔ بفضل باری تعالیٰ یہ کورس بھرپور انداز میں جاری ہے۔ اس میں حصہ لینے والوں کی تعداد 3298 تک پہنچ چکی ہے۔ بیرونِ ملک اس کورس کا اجراء سعودی عرب میں جدہ' مکہ مکرمہ' مدینہ منورہ' ریاض' داہران اور الواسیع میں ہو چکا ہے۔ اس کے علاوہ ابو ظبی' دوبئ' شارجہ' راس الخیمہ' انگلینڈ' فرانس' کینیڈا اور امریکہ میں بھی اس کورس کا اجراء ہو چکا ہے۔

دوسرے کورس (عربی گرامر حصہ اول) کا اجراء نومبر 1990ء میں ہوا۔ قرآن حکیم کو سمجھ کر پڑھنے کے لئے ابتدائی عربی گرامر کا جاننا ناگزیر ہے۔ تاہم اس کورس کا مقصد یہ ہے کہ طلبہ و طالبات کو عربی گرامر کے بنیادی اصولوں سے اس حد تک متعارف کرا دیا جائے کہ قرآن اور احادیث سے براہ راست استفادہ کے لئے انہیں ایک بنیاد حاصل ہو جائے۔ اول الذکر کورس کی طرح یہ کورس بھی بہت مقبول ہوا ہے۔ اس کے طلبہ و طالبات کی تعداد 1761 تک پہنچ چکی ہے۔ یہ کورس بھی بیرونِ پاکستان سعودی عربی' ابو ظبی' دوبئ' شارجہ' انگلینڈ' فرانس' کینیڈا اور امریکہ میں جاری ہو چکا ہے۔

اس کورس کے حصہ دوم کا آغاز بھی اکتوبر 1992ء میں کر دیا گیا تھا۔ اس میں طلبہ کی تعداد 212 تک پہنچ چکی ہے۔ جبکہ حصہ سوم کا آغاز مارچ 1997ء میں ہوا۔ اس میں

طلبہ کی تعداد 81 تک پہنچ چکی ہے۔

2.2۔ ترجمۂ قرآن کریم کورس

1996ء میں شعبہ خط و کتابت کورسز میں ایک نئے کورس بعنوان "ترجمہ قرآن کریم" کا اجراء کیا گیا ہے۔ یہ کورس خاص طور پر نوجوان طبقے کے لئے جاری کیا گیا ہے' یعنی سکول اور کالج کے طلبہ و طالبات جو اردو لکھ پڑھ سکتے ہوں۔ اس سطح پر طلبہ و طالبات کا حافظہ بہت تیز ہوتا ہے اور یہ اس کورس کے بعد الفاظ کا ترجمہ بآسانی کر سکتے ہیں۔

ایسے نوجوان بچوں اور بچیوں کو ترجمۂ قرآن سکھانے کے لئے ایک طریقہ وضع کیا گیا ہے۔ ایسے بچے اور بچیاں اپنے گھر میں سہولت کے وقت میں روزانہ تقریباً دس سے پندرہ منٹ صرف کر کے قرآن کریم کا ترجمہ سیکھ سکتے ہیں' گھر سے باہر جانے کی ضرورت نہیں' ٹیوٹر کی ضرورت نہیں' ٹیوشن فیس دینے کی بھی ضرورت نہیں۔ دین دار والدین جنہوں نے کسی وجہ سے اب تک اپنی اولاد کو قرآن کی تعلیم دینے کی طرف توجہ نہیں دی' وہ صرف تھوڑی سی توجہ کر کے اپنے بچوں کو اس طریقے کے مطابق قرآن کریم کا ترجمہ سکھا سکتے ہیں۔ انہیں صرف یہ دیکھنا ہو گا کہ بچے روزانہ دس سے پندرہ منٹ اس کام کے لئے صرف کریں اور ناغہ نہ کریں۔ اس کورس کے اختتام پر کامیاب طلبہ و طالبات کو اسناد جاری کی جاتی ہیں۔ اس کورس کی فیس بہت کم' یعنی صرف 100 روپے رکھی گئی ہے۔ اس کورس کا اجراء فروری 1996ء سے کیا گیا ہے۔ اب تک اس کورس میں 529 طلباء اور طالبات شریک ہو چکے ہیں۔ اور 20 طلبہ و طالبات کورس مکمل کر کے سند حاصل کر چکے ہیں۔

مذکورہ بالا پانچ کورسز میں دورانِ سال داخلہ لینے والوں اور دورانِ سال کورس مکمل کرنے والوں کی تعداد کے حوالے سے ۹۸۔۱۹۹۷ء اور ۹۹۔۱۹۹۸ء کے اعداد و شمار کا مکمل موازنہ اگست ۹۹ء کے حکمت قرآن میں "مرکزی انجمن کی سرگرمیوں کی جھلکیاں" کے ذیل میں شائع کیا گیا ہے۔ OO

نجم المدارس سے قاضی عبدالحلیم حقّانی کا مکتوب

دورۂ ترجمۃ القرآن الحکیم کا مرسلہ کیسٹس سیٹ موصول ہوا۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء فی الدّارین۔ ناکارہ اُس وقت موجود نہیں تھا' مختصر سفر پر تھا' اس لئے تحریرِ رسید میں کچھ تاخیر ہو گئی۔

بعد العصر تا قبیل المغرب اس کی سماعت (اجتماعی) کا وقت عملاً طے ہو چکا ہے۔ جتنا ما شاء اللہ دیدن یک بارہ ام مشتاق دیگر بارہ کردوالا معاملہ ہے۔ بہرحال اللہ مجھے اور احقر کے متعلقین کو سیٹ سے استفادہ کی توفیق عطا فرمائے اور اس میں بیان کردہ حقائق اُمّت تک اسی شستہ انداز سے منتقل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

بحمدہٖ شہر کی ۵ مساجد کے ساتھ احقر کا براہ راست رابطہ ہے۔ ایک مسجد محلّہ مسجد عثمانیہ ہارون آباد میں روزانہ بعد العشاء درس ہوتا ہے۔ مسجد عثمانیہ وسط بازار میں سوموار منگل بعد العصر درس ہوتا ہے۔ مکی مسجد کلاچی میں بروز جمعہ بعد المغرب درس ہوتا ہے۔ مسجد محمد اکبر خان مرحوم میں بروز بدھ بعد المغرب درس ہوتا ہے اور مسجد شیخی گیٹ میں خطابت جمعہ کا شغل بجمدہ جاری ہے۔ بہرحال دعاؤں سے دست گیری فرمائیں کہ حق تعالیٰ نجم المدارس کے تدریسی و انتظامی امور کے ساتھ تحریک عمل برائے نفاذ شریعت اسلامیہ اور عمومی مواعظ و دروس و خطابت جمعہ کے لئے موفق فرمادے اور قرآن و حدیث کے ابلاغ کے مواقع اور سلیقہ سے نوازے۔ آمین۔ ممکن ہو تو ڈاکٹر صاحب زید لطفہ اور دوسرے احباب کو سلام پہنچادیں۔

فقط والسلام دعاگو و دعاجو
قاضی عبدالحلیم حقانی
نائب مہتمم مدرسہ عربیہ نجم المدارس کلاچی
ضلع ڈیرہ اسماعیل خان

"ایجاد و ابداعِ عالم سے عالمی نظامِ خلافت تک . . ."

ایک گرانقدر علمی خدمت ہے

کوئٹہ سے قاری شاہد اسلام بٹ کا مکتوب

امیر محترم و مکرم جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب مدّ ظلّہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ آپ بفضلہٖ تعالیٰ خیر و عافیت سے ہوں گے۔ سب سے پہلے تو میں آپ کو دلی مبارک باد پیش کرتا ہوں کہ آپ نے چودہ سال کے عرصہ کے بعد ایک نہایت ہی دقیق علمی مسئلہ پر قلم اٹھایا ہے۔ میری مراد حکمت قرآن میں اشاعت خصوصی کے تحت "ایجاد و ابداع عالم سے عالمی نظام خلافت تک۔ تنزل و ارتقاء کے مراحل" نامی مقالے سے ہے۔ یہ مقالہ اتنا جامع اور دل و دماغ کو کھینچ لینے والا تھا کہ ایک ہی نشست میں ختم کرنا پڑا۔ بہرحال میرے نزدیک یہ ایک ایسی علمی خدمت ہے کہ جس کے سامنے نوبل انعام اور شاہ فیصل ایوارڈ کچھ حیثیت نہیں رکھتے۔

آپ سے گزارش ہے کہ اس قسم کے تمام مقالات کا انگریزی ترجمہ کر کے The Quranic Horizons میں جلد از جلد شائع کردیں۔

والسلام مع الاکرام

قاری شاہد اسلام بٹ، ایم اے

کوئٹہ

نبی اکرمؐ کی اصل جلالتِ قدر اور عظمتِ شان کو
کوئی نہیں جان سکتا، مختصراً یہی کہا جا سکتا ہے کہ

"بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر"

ہمارے لیے اصل قابل غور مسئلہ یہ ہے کہ:

کیا ہم آپؐ کے دامن سے صحیح طور پر وابستہ ہیں؟
اس لیے کہ اسی پر ہماری نجات کا دار و مدار ہے

اس اہم موضوع پر
ڈاکٹر اسرار احمد کی مختصر لیکن نہایت مؤثر تالیف

نبیِّ اکرمؐ سے

ہمارے تعلق کی بنیادیں

کا خود بھی مطالعہ کیجیے اور اس کو پھیلا کر تعاون علی البر کی سعادت حاصل کیجیے

ہدیہ فی نسخہ: ۶ روپے۔ تبلیغی مقصد کے لیے یک صد نسخوں پر ۳۳ فی صد کمیشن دیا جائے گا: